پاکستان کا سب سے زیادہ پڑھا جانے والا خواتین کا مقبول ترین ہفت روزہ

خواتین کا اسلام

1003

بدھ 4 محرم 1443ھ مطابق 3 اگست 2022ء

Regd.No:MC1437

الف نمبر

4





Zaiby Jewellry

SADDAR

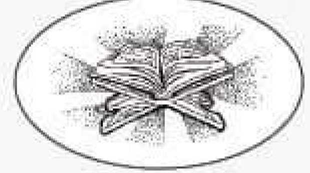
021-35215455, 35677786 zaiby_jewellery Zaiby_jewellery

zaiby.jeweller@gmail.com Zaibunnisa Street, Saddar, Karachi



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

القرآن



اہلِ علم پر اللہ کا خاص فضل و کرم

ایک شخص جس کو کتابِ الٰہی کا علم تھا، کہنے لگا کہ میں آپ کی آنکھ کے جھپکنے سے پہلے اُسے آپ کے پاس حاضر کیے دیتا ہوں۔ جب سلیمان (علیہ السلام) نے تخت کو اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا تو کہا کہ یہ میرے پروردگار کا فضل ہے تاکہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں یا کفرانِ نعمت کرتا ہوں۔ {سورۃ النمل: آیت 40}

الحدیث



اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کی دعا

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے بعد یہ دعا بھی مانگا کرتے تھے: ''اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے، گناہوں سے بچنا اور نیکی کرنے کی قوت اُسی کے پاس ہے، اللہ ہی معبود ہے، ہم اُسی کی عبادت کرتے ہیں، سب نعمتیں اُسی کی عطا کردہ ہیں اور ہم پر اُسی کا فضل و کرم ہے، اسی پاک ذات کے لیے تمام تعریفیں ہیں۔''
{رواہ مسلم}



مولانا مفتی محمد ابراہیم صادق آبادی

وضو اور غسل کی نیت:

سوال: کیا وضو اور غسل میں نیت ضروری نہیں ہے؟ ایک خاتون کا کہنا ہے کہ بغیر نیت و ارادے کے کوئی نہالے، تب بھی اس کا غسل اور وضو ہو جائے گا۔ کیا یہ درست ہے؟
(اخت سعدیہ۔ متحدہ عرب امارات)

جواب: خاتون صحیح کہتی ہیں، وضو اور غسل میں نیت شرط نہیں، کوئی جنبی آدمی بارش میں کھڑے کھڑے بھیگ جائے یا بلاقصد و نیت پانی میں غوطہ لگالے اور ساتھ ہی منہ بھر کر کلی کرلے اور ناک میں پانی ڈال لے تو وضو اور غسل ہو جائے گا، لیکن ثواب سے محروم رہے گا۔ اجر و ثواب اس صورت میں ہے جب وضو یا غسل شروع کرنے سے پہلے دل میں نیت کرلے۔

اگر کوئی عضو خشک رہ جائے:

سوال: وضو یا غسل کرتے ہوئے کوئی عضو دھلنے سے رہ جائے یا جسم کا کوئی حصہ خشک رہ جائے تو بعد میں اسے دھو لینے سے وضو غسل مکمل ہو جائے گا یا نئے سرے سے کرنا ہوں گے؟ (ایضاً)

جواب: دورانِ وضو یا غسل اگر کوئی عضو دھونے سے رہ جائے یا جسم کا کوئی حصہ خشک رہ جائے تو بعد میں علم ہونے پر اسے دھو دینا کافی ہے، پورے وضو یا غسل کا اعادہ لازم نہیں، البتہ خشک حصے کو دھونے سے پہلے اگر کوئی نماز پڑھ لی تو اس کا اعادہ واجب ہے۔

زائد مکان یا دکان ہو تو حج فرض ہوگا یا نہیں؟

سوال: میرے میاں نے پیسے جوڑ جوڑ کر ایک کمرے کا مختصر سا مکان خریدا، چونکہ خاندان کے افراد زیادہ ہیں اس لیے یہ مکان کرایہ پر دے دیا اور دوسرا مکان...... جو اس سے بڑا ہے۔ کرایہ پر لے کر اس میں رہائش اختیار کرلی۔ سوال یہ ہے کہ یہ جو چھوٹا مکان خرید کر کرایہ پر چلا دیا، اس کی وجہ سے میرے میاں پر حج فرض ہوتا ہے یا نہیں؟ اسی طرح کسی شخص کے پاس زائد مکان یا دکان ہو اور وہ کرایہ پر دے دے تو اسے بیچ کر حج ادا کرنا فرض ہے یا نہیں؟ (سلمیٰ اختر اعوان۔ وہاڑی)

جواب: اگر آپ کے میاں کا ذریعۂ آمدن صرف یہی مکان ہے اس کے علاوہ اور کوئی ذریعہ نہیں تو اسے بیچ کر حج کرنا اُن پر لازم نہیں، اسی طرح اگر کسی کے پاس زائد مکان یا دکان ہو اور اس کا ذریعۂ معاش بھی یہی ہو تو اس پر بھی حج فرض نہیں۔ ہاں اگر آمدن کے دیگر ذرائع موجود ہوں اور یہ مکان یا دکان ضرورت سے زائد ہو اور اس کی قیمت اتنی ہو جس سے حج کے مکمل اخراجات پورے ہوسکتے ہوں تو اسے بیچ کر حج ادا کرنا فرض ہوگا، تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ارشاد الساری الی مناسک الملاعلی القاری ص ۴۹۔

خاتون کا نماز میں جرابیں یا دستانے پہننا:

سوال: خاتون کا نماز میں جرابیں اور دستانے پہننا کیسا ہے؟ بعض لوگوں میں یہ مسئلہ مشہور ہے کہ نماز میں پیر کی بڑی انگلی نظر آنا ضروری ہے۔ اگر یہ انگلی نظر نہیں آ رہی تو نماز نہ ہوگی۔ ہمارے یہاں کوئٹہ میں سردی بہت پڑتی ہے۔ موزے دستانے پہننا ہماری مجبوری ہے، اسی طرح سفر میں بھی ان اشیا کا استعمال ضروری ہے۔ کیا ان کے استعمال سے نماز نہیں ہوگی؟ (بریرہ انجم۔ کوئٹہ)

جواب: یہ کہنا کہ نماز میں پیر کی انگلی نظر آنا ضروری ہے ورنہ نماز نہ ہوگی، بے اصل ہے۔ عورت کا موزے جرابیں دستانے پہن کر نماز ادا کرنا بلا کراہت جائز ہے، البتہ حالتِ احرام میں ان چیزوں کے استعمال کی ممانعت ہوتی ہے لیکن وہ بھی مردوں کے لیے ہے، خواتین احرام میں بھی یہ اشیا استعمال کرسکتی ہیں، گو کہ استعمال نہ کرنا اولیٰ ہے۔

☆☆☆

علمی درسگاہوں کی روشنی

4

ریحانہ تبسم فاضلی

مولانا یوسف رحمۃ اللہ علیہ آج کل روزانہ ایک دعا (حضور اقدس ﷺ کی صبح وشام کی دعائیں) یاد کراتے تھے۔ میں اپنی ڈائری میں دعا کا شروع کا لفظ اور آخری لفظ لکھ لیا کرتی تھی اور دوپہر کو دادا جی کو دکھاتی تو دادا جی میری ڈائری پر پوری دعا لکھ دیتے اور مجھے یاد بھی کرا دیتے۔

محرم کے مہینے میں مولانا صاحب نے تعزیہ داری کے بارے میں بتایا، پھر ماتم اور نوحہ کے بارے میں بتایا اور فرمایا یہ سب حرام ہیں، ان سے بچو۔ اپنی عمر کے اعتبار سے بعض باتیں میری سمجھ میں نہیں آئیں تو دادا جی نے مجھے آرام آرام سے سمجھا دیا۔ پھر ربیع الاول میں میلاد کے بارے میں بتاتے رہے، آپ فرما رہے تھے۔ میلاد پیدائش کو کہتے ہیں، پیدائش پر جشن منانا کیا معنی رکھتا ہے؟ ہمیں تو اپنے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ کی سیرتِ طیبہ بیان کرنے چاہیے اور سنتیں بھی چاہیے۔ ہمیں نبی ﷺ کی سنتوں کو مٹانا نہیں ہے، بلکہ انھیں زندہ کرنا ہے۔ ہمیں اللہ کی اطاعت کے بعد نبی ﷺ کی اطاعت کرنی ہے۔ غیر مسلموں کی تقلید سے خود کو بچانا ہے۔ اللہ کے محبوب نبی ﷺ کی پیروی کرنی ہے۔

میں نے دادا جی سے دوبارہ ان باتوں کو سمجھا۔ دادا جی نے مجھے بتایا کہ مولانا یوسف پوری دہلی کے محسن ہیں۔ دہلی کے گلی کوچوں میں بدعتوں کا بازار گرم تھا۔ مولانا صاحب کی محنت اور خلوص نے یہ دن دکھایا کہ آج ہر محلے میں سیرتِ طیبہ کے بیان ہوتے ہیں۔ دادا جی حافظِ قرآن بھی تھے، انھوں نے مجھے بھی عم پارہ کی کافی سورتیں حفظ کرائی تھیں۔ اب میرا سبق تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا، آٹھ سال کی عمر میں دادا جی نے میرا قرآن مجید مکمل کرایا، پھر قرآن کی تکمیل کے موقع پر بڑی خوب صورت اور پراثر دعا مانگی۔ دعا کے بعد میری والدہ سے کہنے لگے:

''بیٹی! اب میری طبیعت ٹھیک نہیں رہتی، چراغِ سحری ہوں۔ میری اس بچی سے کم از کم دو بار قرآن ضرور دہروا لینا۔ میں تمھارے والد (حافظ رحیم الدین) سے کہہ دوں گا کہ کبھی کبھی میری بچی کا سبق ضرور سنا کریں اور اپنے دوست مولانا محمد یوسف کے جو بیان وہ سن کر آئیں بچی کے سامنے ضرور دہرا دیں۔''

مجھے دادا جی کی آواز میں کچھ عجیب سی کیفیت محسوس ہو رہی تھی، جسے میں کوئی نام نہیں دے سکتی تھی۔ دوسرے دن مجھے پڑھانے آئے تو میرے سر پر ہاتھ رکھ کر بہت سی دعائیں دیں اور کہنے لگے:

''نماز اور قرآن کی ہمیشہ پابندی کرنا، جب تمھارا قرآن مکمل ہوا کرے تو مجھ حقیر کو بھی ایصالِ ثواب میں یاد رکھنا۔'' میں دادا جی کی طرف بہت غور سے دیکھ رہی تھی، مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے میرے معلم کہیں دور سفر پر جا رہے ہوں۔ میں نے بے چین ہو کر ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا:

''دادا جی! کیا آپ کہیں جا رہے ہیں؟''

کہنے لگے: ''ہاں میری بیٹی! شاید آج میری تم سے یہ آخری ملاقات ہو۔'' میں کچھ سمجھ نہیں پائی اور وہ جانے کے لیے کھڑے ہو گئے۔

میں نے ہمیشہ کی طرح انھیں سلام کیا۔ انھوں نے سلام کا جواب دیا اور فی امان اللہ کہا۔ دوسرے دن ظہر کی نماز پڑھی اور اُن کا انتقال ہو گیا۔ ابا جی نے انھیں بڑے ماموں جان کی مدد سے غسل دیا، پھر کفن پہنا کر سب کو ان کا آخری دیدار کرایا۔ میری انگلی پکڑ کر ان کے گھوارے کے پاس لائے اور لرزتی ہوئی آواز میں کہنے لگے: ''تمھارے محترم استاد اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے، آخری بار ان کا دیدار کر لو۔''

میں نے ان کے نورانی چہرے کی طرف غور سے دیکھا، ان کے ہونٹوں پر بڑی خوب صورت مسکراہٹ تھی۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے بڑی میٹھی نیند سو رہے ہوں۔

☆......☆

میرے نانا جان ہفتے میں دو بار ضرور آتے۔ میرا سبق سنتے، کچھ مولانا رحمہ اللہ کے بیان سمجھاتے۔ ایک دن میں نے دادا جی کی بات انہیں بتائی اور ایصالِ ثواب کے بارے میں پوچھا۔ نانا ابا نے مجھے تفصیل سے ایصالِ ثواب کے بارے میں بتایا۔ والدہ صاحبہ روزانہ مجھ سے تین رکوع سنتی تھیں اور دعائیں دہروا دیا کرتی تھیں۔

☆......چھٹی کلاس سے ہماری انگریزی بھی شروع ہو گئی۔ ماسٹر صاحب مجھے پہلے ہی انگریزی شروع کروا چکے تھے۔ اب ہماری اردو کی استانی اختری آپا جان تھیں۔ نثر کے ساتھ ساتھ مجھے ان کا شاعری کا انداز بہت پسند تھا۔ ہم نے جو غزلیں چھٹی، ساتویں کلاس میں دہلی میں پڑھی تھیں وہی غزلیں کراچی میں بی، اے کے نصاب میں پڑھیں۔ آپا جان کبھی کبھی ہم سے بھی اشعار کی تشریح پوچھتی تھیں، کلاس میں، میں واحد لڑکی تھی کہ اشعار کی تشریح بتا دیتی۔ اکثر آپا جان ہنس کر کہتیں، مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تم شاعرہ ضرور بنوگی۔ نفیسہ آپا جان ہمیں فارسی پڑھاتی تھیں۔ انھوں نے ہمارے دل میں فارسی کا شوق پیدا کیا۔ ایک دن (باقی صفحہ 14 پر)

مدیرِاعلیٰ : مفتی فیصل احمد
مدیر : انجینئر مولانا محمد افضل احمد خان
مدیرِ مسؤل : محمد فیصل شہزاد
''خواتین کا اسلام'' دفتر روزنامہ اسلام ناظم آباد 4 کراچی فون: 021 36609983 ای میل: fayshah7@yahoo.com
انٹرنیٹ: www.dailyislam.pk سالانہ زرِتعاون: اندرونِ ملک 1200 روپے، بیرونِ ملک ایک میگزین 18000 روپے، دو میگزین 20000 روپے

ادارہ روزنامہ اسلام کی تحریری اجازت کے بغیر خواتین کا اسلام کی کوئی تحریر کہیں شائع نہیں کی جاسکتی۔ بصورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کرنے کا حق رکھتا ہے۔

سنو اے مقتدی

امۃ اللہ

''وہ جی...... ذرا سنیے گا'' ثانیہ کی آواز ابھری۔

''جی سنایئے۔'' دانش نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''مجھے یہاں پردہ کرنے میں مشکل پیش آتی ہے، میں کیا کروں؟''

ثانیہ نے معصومیت سے پوچھا۔

''تو نہ کریں۔'' دانش نے اُس سے زیادہ معصومیت سے کہا۔

''اوہ میرے خدا! آپ...... آپ کہہ رہے ہیں کہ میں پردہ نہ کروں، یعنی ایک فرض چھوڑ دوں؟ نماز جیسا فرض...... نہیں...... یہ مجھ سے نہیں ہوگا۔''

ثانیہ نے گھبرا کر کہا۔

''اچھا تو پھر کیا حل ہوسکتا ہے؟'' دانش جھک کر جوتے پہن رہا تھا۔

''ہم...... الگ...... ہوجائیں؟'' ثانیہ کچھ جھجکتے ہوئے آہستہ آواز میں بولی۔

''کیا کہا تم نے؟ الگ ہوجائیں۔ دماغ تو تمھارا ٹھیک ہے؟ میں اپنے والدین کو چھوڑ دوں، عمر کے اس حصے میں تمھاری وجہ سے، تمھارے پردے کی وجہ سے......؟''

دانش دھاڑتے ہوئے بولا تھا، وہ سہم گئی۔

''آئندہ اگر ایسی بات بھی منہ سے نکالی، جس کی وجہ سے میرے خاندان میں اختلافات پیدا ہوں تو کاغذ پکڑا کر گھر سے باہر کردوں گا۔''

دانش جو ہمیشہ سے غصے کا تیز تھا، اسے خبردار کرتا ہوا چلا گیا۔

ثانیہ کا دماغ اس کے آخری الفاظ پر سائیں سائیں کرنے لگا۔

☆......☆

''وہ جی...... ذرا سنیے گا'' عائشہ کی آواز ابھری۔

''جی سنایئے۔'' یمان نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''مجھے ایک چادر لادیں۔'' وہ شرماتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''بیڈشیٹ...... یا......؟'' یمان نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''ایک اوڑھنے والی......!''

''اچھا...... اچھا...... جسے سوتے وقت اوڑھتے ہیں۔'' یمان نے اس کا جملہ کاٹا۔

''ارے...... میری بات تو سنیں۔'' عائشہ نے جھنجھلا کر کہا۔

''جی سنایئے، آپ کی سننے کے لیے ہی تو بیٹھے ہیں۔''

یمان نے زیرِ لب مسکراتے ہوئے کہا۔

''یعنی کہ آپ نہیں سنیں گے۔'' اس نے غصیلی نظروں سے اس کی جانب دیکھا۔

''ارے نہیں، چلیے ارشاد فرمایئے، ہم سنجیدہ ہیں۔''

''مجھے ایک ایسی چادر چاہیے جو میرے پیروں تک آتی ہو، آپ سمجھ رہے ہیں نا!''

عائشہ بالکل سنجیدہ تھی۔

''جی ہاں! لیکن کیوں؟'' یمان کی آنکھوں میں حیرت تھی۔

''وہ ہماری جوائنٹ فیملی ہے نا، اب تک تو میں نے کوئی کام نہیں کیا لیکن اب ایک ہفتہ گزر گیا ہے شادی کو۔'' وہ اپنے خیال میں کہتی جارہی تھی کہ یمان کو پھر شرارت سوجھی۔

''یعنی ایک ہفتہ پرانی ہوچکی ہیں آپ؟'' یمان نے پھر اس کی بات کاٹ دی۔

''بس ثابت ہوگیا کہ میں آج کی تاریخ میں اپنی بات پوری نہیں کرسکوں گی۔''

وہ مصنوعی غصے سے بولی۔

''کوئی بات نہیں، کل کی تاریخ میں مکمل کرلیجیے گا۔''

''اُس نے آج شاید عائشہ کو تنگ کرنے کا عزم کر رکھا تھا۔

وہ جھنجھلا کر چپ ہوگئی۔ اس کا سوجا ہوا منہ دیکھ کر وہ کھل کر ہنسا پھر بولا:

''اچھا بابا! سوری، چلو کہو، میں ہمہ تن گوش ہوں۔''

یمان نے اپنے کان پکڑ کر شرارت سے کہا۔

''جائیں معاف کیا، اب آپ مجھے چادر لادیجیے گا، مجھے اب باہر کام کرنے ہوں گے اور آپ جانتے ہیں میں پردہ کرتی ہوں تو میں چادر پہن کر کام کروں گی۔'' وہ دھیمے لہجے میں جلدی جلدی بول رہی تھی۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں پھر وہ اسے بیچ میں نہ ٹوک دے۔

''ٹھیک ہے میں لے آؤں گا۔'' وہ کہتے ہوئے نکلنے لگا۔

''کالے رنگ کی ہو۔'' وہ جلدی سے بولی۔

''اچھا'' وہ دروازہ پار کرتے ہوئے بولا۔

عائشہ جلدی سے اس کے پیچھے لپکی: ''اور...... سادی بھی ہو۔''

اس نے پیچھے سے ہانک لگائی۔ یمان مسکرا کر رہ گیا۔

☆......☆

ثانیہ باورچی خانے میں بریانی کا مصالحہ تیار کررہی تھی، اتنے میں اس نے قدموں کی آہٹ سنی۔ مڑ کر دیکھا، دروازے سے اس کے جیٹھ اور دانش بات کرتے ہوئے اندر آرہے تھے۔ وہ جلدی سے بھاگ کر کمرے میں آگئی، کیونکہ امکان یہی تھا کہ وہ لاؤنج میں بیٹھیں گے اور باورچی خانہ کھلا (اوپن) تھا۔

۱۰ منٹ، ۲۰ منٹ، ۳۵ منٹ، ۵۰ منٹ، گھڑی کی سوئیاں سرک رہی تھیں اور ثانیہ کے دل میں چبھ رہی تھیں۔

اُس کی جٹھانی صبح بچوں کے جانے کے بعد اپنے میکے گئی تھیں، وہ بس اب آنے والی تھیں۔ اس کی ساس اپنی کسی سہیلی کی عیادت کے لیے گئی تھیں اور کھانا بنانے کی ذمے داری اسے سونپ کر گئی تھیں۔ بچے بھی اسکول سے آنے والے تھے اور مرد حضرات تو آہی چکے تھے اور...... اور...... بریانی کا مصالحہ اس سے آگے وہ سوچ ہی نہیں

پا رہی تھی۔ اس کی نگاہیں گھڑی کی طرف اٹھیں کہ شاید اس کی سوئیاں پیچھے کی جانب سرک رہی ہوں لیکن نہیں گھڑی پورا ایک بجا رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں نمی اتر آئی۔

''ٹھک...... ٹھک...... ٹھک!'' دروازے پر دستک ہوئی۔ ثانیہ نے ڈرتے ڈرتے دروازہ کھولا۔ سامنے اس کی ساس کھڑی تھیں۔

''ثانیہ! تم نے ساری ہانڈی جلا دی، اور وقت دیکھ رہی ہو کیا ہو رہا ہے؟ پندرہ، بیس منٹ میں کھانا کیسے تیار ہوگا اب۔ اگر ہانڈی جل ہی گئی تھی تو دوسری بنا لیتیں، کمرے میں بند ہو جانے کی کیا تک بنتی ہے؟''

سعیدہ بیگم باوجود کوشش کے اپنا غصہ چھپا نہیں پا رہی تھیں۔

کچھ دیر پہلے آنکھوں میں اترنے والی نمی رخسار پر بہنے لگی تھی۔

☆......☆

عائشہ جلدی جلدی کڑاہی میں سے پوری نکالتی اور پھر دوسری ڈال دیتی۔ ساتھ دوسرے چولھے پر آلو کی ترکاری رکھی ہوئی تھی اور تیسرے پر چائے ابل رہی تھی۔ اُس کی دونوں جٹھانیاں اپنے اپنے بچوں کو اسکول کے لیے تیار کر رہی تھیں۔ دروازے پر آہٹ ہوئی، اس نے دیکھا کہ مرد حضرات فجر کی نماز پڑھ کر تشریف لا رہے تھے۔ اس نے جلدی سے چادر صحیح کر کے اُس سے نقاب کیا، سلیب پر رکھی پن اٹھا کر چادر کو پن اپ کیا اور دوبارہ سے اپنے کام میں مشغول ہو گئی۔

''السلام علیکم بھابی!''

اُس کے دونوں جیٹھوں نے اسے سلام کیا۔ اس نے سر خم کر کے جواب دیا۔

پھر وہ لوگ دسترخوان پر اس کی طرف پیٹھ کر کے بیٹھ گئے۔

گرم گرم حلوہ پوری کا ناشتا تیار تھا۔ ساتھ میں الائچی والی چائے تھی۔ اس کے ہاتھ میں ذائقہ تو تھا ہی، اس کے بنائے گئے ناشتے کو خوب سراہا گیا۔

اُس کا سر فخر سے بلند ہونے لگا۔ اس نے یمان کی جانب دیکھا تو یمان کا سر اس سے زیادہ بلند ہو رہا تھا...... فخر سے!

وہ مسکرا دی، کیونکہ اُس کا کارنامہ گویا یمان کا کارنامہ تھا۔

☆......☆

''السلام علیکم ورحمۃ اللہ!'' سعیدہ بیگم ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہوئے بولیں۔

''وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ!'' صفیہ بیگم اُن سے گلے ملیں۔

عائشہ نے بھی مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا۔

''یہ بچی میری سب سے چھوٹی بہو ہے۔'' صفیہ بیگم نے تعارف کرایا۔

''ارے یمان کی بیوی! ماشاء اللہ بہت پیاری ہے۔''

سعیدہ بیگم نے خلوص دل سے تعریف کی، عائشہ جھینپ گئی۔

''معاف کرنا بہن! میں دانش کی شادی میں نہ آسکی، دراصل یمان کی چٹ منگنی پٹ بیاہ ہوا، موقع ہی نہ ملا۔ میں نے سوچا عائشہ کو بھی ملوا لاؤں اور تمھاری بہو کو شادی کا تحفہ بھی دے آؤں۔'' صفیہ بیگم نے معذرت کے ساتھ آنے کی وجہ بھی بیان کی۔

اتنے میں ثانیہ مہمانوں کے لیے کھانے کے لوازمات لیے حاضر ہوئی۔

پھر سب کو پیش کر کے وہ اپنی پلیٹ اٹھائے عائشہ کے برابر صوفے پر آ بیٹھی۔

''آپ نقاب کرتی ہیں؟'' اس نے عائشہ کے نقاب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''الحمدللہ!'' عائشہ نے مسکرا کر جواب دیا۔

''شرعی پردہ کرتی ہیں ناں؟'' ثانیہ نے ایک خیال کے تحت پوچھا۔

''جی الحمدللہ!''

''جہاں تک مجھے معلوم ہے، آپ کے ہاں تو مشترکہ خاندانی نظام ہے، کچھ مشکل نہیں ہوتی آپ کو؟''

''نہیں تو، بالکل نہیں۔''

''مجھے تو بہت پریشانی ہوتی ہے۔''

''میں چادر اوڑھ کر سارا کام کرتی ہوں جیسے ہی کوئی آتا ہے۔ میں چادر سے نقاب کر لیتی ہوں۔''

''اُف، گرمی نہیں لگتی آپ کو؟''

''جہنم کی گرمی کا سوچو تو دنیا کی گرمی سہنا آسان لگتا ہے۔''

''پھر بھی، ہم انسان ہیں لوگوں کو ہمارے پردے کا کچھ تو خیال کرنا چاہیے۔''

یہ کہہ کر اس نے گزشتہ روز کا واقعہ عائشہ کے سامنے دہرا دیا۔

عائشہ مسکرا دی پھر بولی: ''آپ عالمہ ہیں؟''

''نہیں، بس مدرسے میں سات ماہ کا کورس مکمل کیا تھا۔''

''اچھا دیکھیں ثانیہ! جو لوگ مقتدا ہوتے ہیں نا اُن کے اندر اگر ننانوے خوبیاں ہوں صرف ایک خامی ہو تو لوگ ان کی ایک خامی پکڑ لیتے ہیں اور اسے ننانوے خوبیوں

Y.J
YOUSUF
Jewellers
Your Trust is Our Success
اسکول، کالج اور مدارس
کے اساتذہ اور علماء کرام کیلئے
خصوصی رعایت
نوٹ
Shop #, 19-23, Khursheed Market, Hyderi, North Nazimabad, Karachi.
TEL:021-36640516,36645029

پر غالب کردیتے ہیں اور عام لوگ اگر ان کی ننانوے خامیاں ہوں اور ایک خوبی ہو تو کسی کو اس کی ننانوے خامیاں نہیں دیکھیں گے وہ ایک خوبی نظر آئے گی اور مقتدا صرف علماء حضرات یا بڑے بڑے دینی اداروں اور جماعتوں کے سربراہ نہیں ہوتے۔ مقتدا ہر وہ شخص ہوتا ہے، جس نے مدرسے میں قدم رکھ دیا، جس نے کسی دینی ادارے کے ساتھ تعلق قائم کرلیا۔ اس لحاظ سے میں اور تم اس فہرست میں ہیں۔

مقتدا کو سنبھل سنبھل کر پھونک پھونک کر قدم رکھنا پڑتا ہے۔ کیونکہ لوگ اس کی اقتدا کررہے ہوتے ہیں۔ اب جیسے آپ، برا مت منایئے گا، میں آپ پر طنز نہیں کررہی، میں صرف بتارہی ہوں، سمجھا رہی ہوں کیونکہ مومن مومن کا آئینہ ہوتا ہے، امید ہے کہ برا نہیں مانیں گی۔'' عائشہ نے ملتجی نظروں سے اسے دیکھا۔

''نہیں، ایسی کوئی بات نہیں، آپ کھل کر کہیے۔''

ثانیہ نے فراخ دلی کا مظاہرہ کیا۔

''ہوں، اب دیکھیں جیسے آپ ہیں آپ کو پردہ کرنے میں مشکل پیش آئی تو آپ نے گھر کا کام کرنا چھوڑ دیا، ایسے وقت جس میں مرد حضرات گھر پر ہوں۔ یقیناً آپ کی ساس کے دل میں آپ کی یہ بات چبھی ہوگی، اب آپ مقتدا ہیں اور آپ کے سسرال والے آپ سے بددل ہورہے ہوں گے، آپ سے زیادہ دین سے بددل ہوں گے۔ اس کا حل ہماری معلمہ نے ہمیں بتایا تھا کہ اگر مشترکہ خاندانی نظام ہو تو چادر لے کر کام کرو۔ نہ پردہ چھوڑو نہ کام چھوڑو اور نہ ہی الگ گھر کا مطالبہ کرو اور کمرے سے باہر نہ بجتا زیور پہنو، نہ انگوٹھی پہنو، نہ آنکھوں میں کاجل ڈالو، جو زینت اختیار کرنی ہے اپنے کمرے میں کرو، اس پر بھی اللہ سے توبہ و استغفار کرو، اپنی کوتاہی پر ندامت کا اظہار کرو کہ بشر ہیں، بھول چوک تو ہو ہی جاتی ہے۔ تو بس ثانیہ! حوصلے بلند رکھیں اس دنیا کی گرمی برداشت کرلیں، ہمیشہ ہمیشہ کی راحت پالیں گی۔ امید ہے آپ سمجھ گئی ہوں گی۔''

عائشہ نے مسکراتے ہوئے ثانیہ کا ہاتھ دبایا۔

ثانیہ کی آنکھوں کی چمک کہہ رہی تھی کہ اسے اس کی مشکل کا حل مل چکا تھا۔

☆☆☆

32

سہارا



ایک مومنہ کی کہانی
اس کا آشیانہ
تنکا تنکا بکھر گیا

بنت الاسلام

اگرچہ اخلاق احمد صاحب اور صالحہ بیگم کے حسنِ انتظام نے وہ گڑبڑ اور بدنظمی پیدا نہ ہونے دی جو عموماً اُن شادیوں میں ہوجاتی ہے جن میں مہمان بہت آئے ہوئے ہوں، تاہم اس دفعہ منیرہ نے یہاں آکر وہ سکونِ قلب محسوس نہ کیا جو وہ پہلے کیا کرتی تھی۔ سولہ تاریخ کا دن تو خاص طور پر بہت ہنگامہ خیز تھا۔ دو بیٹوں کا ولیمہ اور دو بیٹیوں کی رخصتی۔ زرق برق لباس کی چمک، مہمانوں کا ہجوم، برتنوں کے ٹکرانے کی آوازیں، طرح طرح کے کھانوں کی خوشبوئیں، کام کرنے والوں اور بچوں کی چیخ پکار، ساتھ ہی ساتھ اس بات کی فکر کہ کوئی دیر سے آنے والا مہمان کھانا کھانے سے رہ نہ جائے، اس کے ساتھ ہی بچیوں کی رخصتی کا بندوست، چار چار سمدھیانوں کی خاطر مدارات! شام تک گھر کے سب مرد عورتیں نڈھال ہوکر رہ گئے، مگر مغرب سے کچھ پہلے جب ارجمند اور شائستہ رخصت ہوگئیں اور دونوں دلھنوں کو بھی ان کے میکے والے واپس لے گئے اور باہر کے بہت سے مہمان بھی رخصت ہوگئے تو وہی گھر جہاں ایک گھنٹہ پہلے کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی، ایک دم جیسے بھائیں بھائیں کرنے لگا۔

ارجمند اور شائستہ کے رخصت ہوجانے کے باعث گھر ایسے لگ رہا تھا جیسے کسی نے اس کی روح نکال لی ہو۔ گھر کے سب بڑے چھوٹے، عورت، مرد، مالک نوکر زارو قطار رو رہے تھے۔ تاہم جاوید اور منا تو تمیز سے رو رہے تھے مگر عافی نے وہ فیل مچار کھا تھا کہ کسی کے سنبھالے نہیں سنبھل رہی تھی، حالانکہ سارا دن وہ خوش و خرم مہمان بچوں کے ساتھ اودھم مچاتی رہی تھی مگر جب ارجمند اور شائستہ رخصت ہونے لگیں اور اس نے نانا نانی، ماموؤں، خالاؤں اور ماں کو روتے دیکھا تو اسے معاً خیال آیا کہ اسے بھی تو رونا چاہیے، پھر جو اُس نے اپنی آواز کو پنجم سر پر چڑھا کر چلانا شروع کیا تو رخصتی کے آدھے گھنٹے بعد تک وہ چپ ہونے کو تیار نہ ہوئی۔

منیرہ اسے گود میں اٹھا کر بہلانے کی خاطر اس کمرے میں لے گئی جہاں شائستہ اور ارجمند رہا کرتی تھیں۔ کمرے میں اب تک اُن کی کتابیں، کپڑے، جوتے اور دوسری چیزیں بکھری ہوئی تھیں۔ منیرہ کا دل بے قابو ہوگیا اور عافی کو چپ کرانے کی بجائے وہ خود ارجمند کے پلنگ پر بیٹھ کر رونے لگی۔ عافی اب چپ ہونے کے قریب آگئی تھی مگر جونہی اُس نے ماں کو آنسو بہاتے دیکھا، اس نے از سر نو گلا پھاڑ پھاڑ کر رونا شروع کردیا۔

عافی کے شور و غل سے اتنا فائدہ تو ہوا کہ گھر کے سب لوگ اس کی طرف متوجہ ہوگئے اور انھوں نے

رونا دھونا چھوڑ کر اسے چپ کرانے کی کوششیں شروع کر دیں۔ اخلاق صاحب اسے گود میں اٹھا کر اپنے کمرے میں لے گئے۔ زبیدہ ممانی، اصغری خانم اور کچھ دوسری رشتے دار عورتوں کو صالحہ بیگم نے اصرار کر کے ٹھہرا لیا تھا، کیونکہ دوسرے دن ارجمند کے سسرال ولیمے پر جانا تھا۔ شائستہ چونکہ دوسرے شہر چلی گئی تھی، اس لیے اس کے ولیمے پر جانے کا کسی کا ارادہ نہیں تھا۔

رات کو منیرہ نے اصغری خانم کو اسی کمرے میں ٹھہرایا جس میں وہ خود ٹھہری ہوئی تھی اور دیر تک ان سے باتیں کرتی اور مشورہ لیتی رہی۔ اصغری خانم کے مشورے ہمیشہ صائب ہوتے تھے اور وہ ہمیشہ منیرہ کی ہمت بندھایا کرتی تھیں۔ مگر اس دفعہ منیرہ نے محسوس کیا کہ وہ خود بھی کچھ گھبرائی گھبرائی سی لگ رہی تھیں۔ انھوں نے اپنی عادت کے خلاف بار بار منیرہ سے ماجد کے نہ آنے کی وجہ پوچھی۔ منیرہ کو ایسے محسوس ہوا جیسے اصغری خانم اس سے کوئی راز اگلوانا چاہ رہی ہیں۔

''بس میں یہی معلوم کرنا چاہتی ہوں بیٹی کہ کیا تمھیں واقعی علم نہیں کہ ماجد کیوں نہیں آیا؟''

''میں سچ کہتی ہوں آپا جان کہ مجھے واقعی معلوم نہیں ورنہ آپ سے میرا کیا پردہ تھا۔''

''اچھا یہ بات ہے۔''

اصغری خانم نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''میرا خیال تھا کہ تمھیں معلوم ہوگا۔''

''کیا معلوم ہوگا آپا جان؟''

منیرہ نے محسوس کیا کہ اصغری خانم کچھ جانتی ہیں۔

''آپ کو خدا کی قسم ہے کہ اگر آپ واقعی کچھ جانتی ہیں تو مجھے بتایئے، مجھے تو کچھ علم نہیں۔''

''نہیں، میں کوئی قطعی بات تو نہیں جانتی بیٹی۔ اصل میں بات یہ ہے کہ وہ جو تمھاری سہیلی سلیمہ ہے نا، اس کا میاں میرے بہنوئی کا ماموں زاد بھائی ہے۔ اس کے ذریعے تمھارے میاں کا کچھ حال احوال معلوم ہو جایا کرتا ہے۔''

''ہاں تو پھر آپ کو کیا حال احوال معلوم ہوا ہے؟''

منیرہ نے بے تابی سے پوچھا۔

''منیرہ بیٹی!'' اصغری خانم نے دل سوزی سے کہا۔

''مجھے افسوس ہے کہ میں نے یہ بات خواہ مخواہ چھیڑ دی۔ یقین مانو مجھے واقعی معلوم نہیں تھا کہ تم قطعی بے خبر ہو۔ تاہم میرا خیال ہے کہ جس بات کا تمھیں کل پرسوں تک پتا چل ہی جانا ہے اس کے لیے تمھیں آج ہی کیوں نہ تیار کر لیا جائے۔ تم مجھے یہ بتاؤ کہ کیا تم جانتی ہو کہ اخلاق صاحب کو دل کے دورے کیوں پڑنے شروع ہو گئے ہیں؟''

''نہیں میں تو نہیں جانتی۔ مجھے تو خود بھی تعجب تھا کہ ابا جان کو تو کبھی ایسی کوئی تکلیف نہیں ہوئی تھی، اب اچانک یہ اتنے بیمار کیوں رہنے لگے ہیں۔''

''اصل میں بات یہ ہے''

صغری خانم نے کہا'' ......کہ بعض لوگوں نے ماجد کے متعلق طرح طرح کی اطلاعیں انھیں پہنچائی ہیں جس کے باعث انھیں شدید صدمہ پہنچا ہے اور وہ مستقل طور پر بیمار رہنے لگے ہیں۔ تم جانتی ہو انھوں نے ساری زندگی اصول قاعدے کی پابندی میں گزاری ہے۔ وہ اس قسم کی بے ضابطگیاں کیسے برداشت کر سکتے ہیں؟ پھر ماجد کی شخصیت ان کے ذہن میں اتنی اونچی تھی کہ وہ حقائق کو سہ نہیں سکے۔'' منیرہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ (جاری ہے)

1965ء: سے خدمت انسانیت میں مصروف عمل
ماشاء اللہ
پاکستان میں واحد طریقہ علاج
بواسیر کے مایوس مریضوں کیلئے
چیلنج
صرف ایک بار دوا لگانے سے
بواسیر خونی و بادی
3 دن میں مکمل جڑ سے خاتمہ
زندگی بھر نہ ہوگی
ان شاء اللہ
ناسور فشر کا بغیر آپریشن علاج
علماء کرام، اساتذہ کرام طلباء اور غرباء کیلئے خصوصی رعایت
ہمارے ہاں
ان تمام امراض کا
شافی علاج کیا جاتا ہے
دوائے دماغ و محافظ قلب
دوائے شوگر علاج و تحفظ
موٹاپے کا مکمل خاتمہ
امراض کینسر منہ، ہونٹ، جلد
امراض جلد چنبل خارش داد
جوڑوں کا درد کمر کا درد، اعصابی درد
بال گرنا یا بالوں کا گرنا بالوں کا لمبا کرنا
امراض معدہ و جگر
کالا، پیلا یرقان
ہیپاٹائٹس بی سی
کا شافی علاج
بیٹا نعمت
اولاد
بیٹی رحمت
اولاد اللہ کی طرف سے ایک نعمت ہے
بے اولاد جوڑے قابل علاج
ہمارے طریقہ علاج سے کئی حضرات صاحب اولاد ہو چکے ہیں الحمدللہ
بانی حکیم محمد اسحاق طاہری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
فون پر مشورہ کر کے دوائی بذریعہ V.P پارسل منگوائی جا سکتی ہے۔
خاندانی معالج
مولانا حکیم محمد ابوبکر صدیق ایم اے
فاضل الطب والجراحت پاکستان
رجسٹرڈ نیشنل کونسل فار طب اسلام آباد Q.H.42360.A
العمار دار الشفاء
0345-7244474
کراچی پیراڈائز بیکری گلشن اقبال بلاک 4.A
ملتان ہر ماہ کی 11,12 تاریخ
راولپنڈی ہر ماہ کی 14 تاریخ
لاہور ہر ماہ کی 13 تاریخ
Like Us On Alammardarulshifa

شفایاب مریض ○ بے اولاد ○ بواسیر

راحت اللہ | 49 سال | فتح جنگ

میری شادی ہوئے کافی عرصہ ہوا مگر اولاد جیسی نعمت سے محروم تھا، تمام گھر والے اللہ سے دعا کرتے تھے انسانی فطرت کا تقاضا ہے کہ بقائے نسل کے لیے اولاد کا ہونا ضروری ہے۔ ہم اولاد کے سلسلے میں مختلف حکماء و ڈاکٹروں سے علاج کراتے رہے مگر اولاد کی نعمت سے محروم رہے۔ ہمارے ہاں ''**خواتین کا اسلام**'' آتا ہے، اس میں **حکیم قاری صاحب** کا اشتہار پڑھا، رابطہ کیا، پھر مطب پر حاضر ہوئے، تشخیص ہوئی، ہمیں تشخیص پر تسلی ہوئی، اللہ پر یقین کرتے ہوئے علاج شروع کر دیا۔ اللہ سے مانگتے رہے اور **حکیم قاری صاحب** سے ہدایات لیتے رہے، علاج بھی چلتا رہا، کچھ ماہ بعد امید ہوئی، مدت تکمیل ایام اللہ تعالیٰ نے ہمیں چاند جیسی بیٹی عطاء فرمائی ہم سب گھر والوں نے پہلے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا، پھر خوشی منائی، حکیم قاری صاحب کو فون پر اطلاع دی، **حکیم قاری صاحب** نے بہت ہی دعائیں دیں، اللہ کا شکر ادا کیا۔ میرا یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ جب چاہے، جہاں چاہے، جس وقت چاہے، وہ اولاد اور شفاء دیتا ہے۔ وہ کسی حکیم، ولی اور نبی کا محتاج نہیں ہے۔

ولی اللہ | 42 سال | چنیوٹ

مجھے بواسیر بادی خونی عرصہ 17 سال سے تھی، جب سے اپنے مرض کے بارے میں علم ہوا تب سے علاج کرانا شروع کر دیا مگر وقتی فائدہ ہوتا، مکمل جڑ سے خاتمہ نہ ہوتا۔ کبھی علاج چھوڑ دیتا جب مرض شدت اختیار کرتی علاج کراتا، اسی طرح 17 سال ہو گئے، میرے گھر میں ''**خواتین کا اسلام**'' رسالہ آتا ہے اس میں **حکیم قاری صاحب** کا اشتہار پڑھا، رابطہ کیا، ملاقات کے لیے مطب پر حاضر ہوا، معاینہ کرایا، **حکیم قاری صاحب** کے سب سے پہلے یہ الفاظ تھے کہ آپ ٹھیک ہو جائیں گے ان شاء اللہ تعالیٰ، تسلی رکھیں۔ **حکیم قاری صاحب** نے دوائی لگا دی، کھانے کی دوائی سے 10 دن میں مسے گر گئے اور زخم 15 دن میں مکمل بند ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے **حکیم قاری صاحب** کے سبب سے مجھے شفاء دی۔

سلسلے وفا کے

بنت نور احمد۔ ٹوبہ ٹیک سنگھ

۱۹۹۸ء:

''حسبی اللہ......اللہ میرا ہے!''

میں نے جیسے ہی برآمدہ نما درس گاہ میں قدم رکھا۔ میری ہم جولی عطیہ ربانی ہِل ہِل کر سبق یاد کرنے میں مصروف تھی۔

''حسبی اللہ......اللہ میرا ہے۔''

(یہ ہمارے استاذ محترم کا طرزِ تدریس تھا کہ وہ ''سبق'' کے ساتھ ساتھ ''عشق'' کی مشق بھی کرواتے تھے تاکہ بچپن ہی سے رب کے ساتھ تعلق مضبوط ہو جائے)

خیر عطیہ کو یہ تکرار کرتے دیکھ کر میرا خون کھول اٹھا۔ غیرت جاگ اٹھی۔ میں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، استاد جی کی لاٹھی مبارک اٹھائی اور ''ٹھاہ'' کر کے اس کے سر میں دے ماری۔

وہ بے چاری جو سپارہ پکڑے سبق یاد کر رہی تھی، اول تو چکرا کے رہ گئی، پھر ایک فلک شگاف چیخ مار کے باآواز بلند رونا شروع کر دیا۔

اُس کی سریلی چیخیں سن کر استاد جی فوراً کمرے سے باہر آئے اور جائے وقوع کا جائزہ لیا، لیکن معاملہ اُن کی سمجھ سے بالاتر تھا۔

انھوں نے اپنی مخصوص جگہ پر بیٹھ کر عدالتِ عظمیٰ لگالی:

''ہاں بھئی بتاؤ! ضارب کون ہے اور مضروب کون ہے؟''

انھوں نے اپنی ننھی منی کلاس سے استفسار کیا۔

مجھے ''ضارب و مضروب'' والا فلسفہ تو سمجھ میں نہ آیا، البتہ اسم ضارب کو پسندیدگی کی سند دیتے ہوئے فوراً ہاتھ کھڑا کر دیا: ''استاد جی! ضارب ہم ہیں۔''

استاد جی نے طنزیہ مسکراہٹ کا تحفہ ہمیں دیا، پھر ''حرکت میں برکت'' ہے کے اصول کے تحت اپنی لاٹھی کے مڑے سرے کو میری گردن میں ڈالا اور اپنے پاس کھینچ لیا:

''جی پتر جی! اب بتاؤ، کس نے کس کو کیوں مارا اور کیسے مارا؟''

''استاد جی! میں نے عطیہ کو مارا ہے آپ کی لاٹھی کے ساتھ ٹھاہ کر کے۔''

میں نے سرخ چہرے کے ساتھ بڑی بہادری سے جواب دیا۔

''مگر کیوں؟'' قاری صاحب کو ان فرفر اعترافات پر شاید حیرت ہونے لگی تھی۔

''استاد جی! یہ کہہ رہی تھی کہ اللہ میرا ہے، جبکہ اللہ جی تو میرے ہیں۔ ہمارے ابو جی جہاں کام کرتے ہیں وہاں رہتے ہیں اور روزانہ شام کو ہمارے لیے پیسے اور کھانے کی بہت سی چیزیں بھیجتے ہیں۔ ابو جی بتاتے ہیں کہ اللہ ابو جی کے بہت بڑے اور بہت سچے دوست ہیں، ہر مشکل میں ابو جی کا ساتھ دیتے ہیں۔''

اس بار میں نے روتے ہوئے استاد جی کو اپنا مقدمہ سنایا۔

استاد جی مسکرانے لگے، بولے:

''ارے بٹیا جی! اللہ تو سب کا ہے، آپ کا بھی میرا بھی، بلکہ ساری دنیا کا۔''

استاد جی نے مجھے قائل کرنا چاہا۔

''نہیں نہیں استاد جی! اللہ جی تو صرف میرے ہیں، ہمارے ابو جی کے دوست ہیں۔''

اب شدتِ جذبات سے میری ہچکیاں بندھ گئی تھیں۔ اس وقت پتا نہیں کیوں استاد جی کی آنکھوں میں بھی پانی چمکنے لگا۔

دراصل میرے لیے اس وقت یہ قبول کرنا ناممکن تھا کہ اللہ میاں میرے علاوہ کسی اور کے بھی ہو سکتے ہیں۔ کیوں کہ یہ سلسلے وفا کے تھے، مجھے اس میں کسی بھی قسم کی شراکت گوارا نہ تھی، اور یہ بچپن کا معصوم عشق تھا۔

۲۰۰۵ء:

سہ روزہ مستورات کے تحت ہمارے گاؤں سے تبلیغی جماعت روانہ ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے اِس سعادت عظیم کے لیے ہم بہن بھائی کو بھی چنا۔

ان دنوں سارے رابطے ضابطے و واسطے صرف اور صرف اللہ میاں کے ساتھ تھے۔ اللہ سے بات شروع ہو کر اللہ ہی پر ختم ہوتی تھی۔

سہ روزہ معمولات شروع ہوئے۔ جماعت کا پہلا دن بہت پرسکون گزرا۔ امیر صاحب کا حکم تھا کہ ہر کام وقت پر کیا جائے۔ وقت کے ضیاع سے اجتناب کرتے ہوئے رات جلدی سونے اور صبح جلد اٹھنے کی کوشش کی جائے۔

ساتھی مستورات نے نمازِ عشاء کے بعد کچھ دیر ذکر کیا اور پھر سو گئیں۔

کچھ ہی دیر میں سب کے خراٹوں کی آواز پرسکون ماحول میں گونجنے لگی لیکن اس وقت مجھے کوئی تھکاوٹ اور نیند محسوس نہیں ہو رہی تھی، بلکہ دل کی ایک عجیب سی کیفیت ہو رہی تھی۔ وہ مزید ذکرِ یار کے لیے مچل رہا تھا لیکن امیر صاحب کا فرمان بھی کانوں میں گونج رہا تھا کہ رات کو جلدی سونا ہے اور میزبان کو تنگ نہیں کرنا۔

اب میرے سامنے دو راستے تھے۔

ایک طرف امیر صاحب کے حکم کی تابع داری اور دوسری طرف اپنے رب کی شکر گزاری!

آخر نو عمر دل سے امیر صاحب کی حکم عدولی ہو گئی اور پوری رات جائے نماز پر اپنے پیارے رب سے راز و نیاز کرنے میں گزر گئی۔

لیکن اس وقت پروا کسے تھی؟ یہ سلسلے تو وفا کے تھے۔ یہ لڑکپن کی دلبرانہ ادائے عشق تھی۔

۲۰۰۹ء:

گلے میں انفیکشن کی وجہ سے میری پیاری امی جان بہت زیادہ بیمار ہو گئیں۔ علاقے کے معالجین نے انھیں لاعلاج قرار دے دیا، تاہم ''امید پر دنیا قائم ہے'' کہ اصول کے تحت امی جی کا علاج جاری تھا۔ ایک سرجن کے مشورے اور تسلی پر امی جی کو الائیڈ ہسپتال منتقل کر دیا گیا۔ کچھ دنوں کی رپورٹس کے بعد وہاں کے معالجین نے امی کے میجر آپریشن ہونے کی خبر سنائی۔

اب اُدھر امی جان کے آپریشن کی تیاریاں شروع ہو گئیں، اِدھر گھر پر میری پریشانی اور گھبراہٹ عروج پر پہنچ گئی۔ گھر کی بڑی اولاد ہونے کی وجہ سے گھر بھر کی ذمے داری، چھوٹے بھائیوں کی دیکھ بھال اور امی کی جدائی کا تصور سوہانِ روح ہوتا جا رہا تھا، تاہم ان حالات میں بھی اپنے رب سے رابطہ مسلسل تھا۔

ہر کال کا فوراً جواب آ رہا تھا۔ کسی قسم کی نیٹ ورک کی خرابی نہ تھی۔

جس صبح آپریشن ہونا تھا، وہ پوری رات پریشانی میں گزری۔

میں جائے نماز پر بیٹھی اپنے اللہ سے اپنی امی کی زندگی کی بھیک مانگ رہی تھی اور دل کی یہ چاہت تھی کہ کاش اللہ تعالیٰ مجھے کسی طرح یہ بتا دیں کہ میری امی جی کا آپریشن کامیاب ہوگا اور وہ گھر واپس آجائیں گی......!

اسی راز و نیاز میں، مجھے پتا ہی نہ چلا اور میں کہاں سے کہاں پہنچ گئی۔

میں نے خود کو ایک ایک بہت بڑے میدان میں دیکھا۔ میرے ساتھ میری عمر کے بہت سارے لڑکے اور لڑکیاں موجود تھے۔ رکشہ نما کئی گاڑیاں بھی تھیں، جن میں بچوں کو کھچا کھچ بھرا جا رہا تھا۔ جیسے ہی وہ رکشہ نما گاڑی بھر جاتی، فوراً اُڑتی اور اگلے ہی پل نظروں سے غائب ہو جاتی۔

میں نے بھی اور بچوں کی دیکھا دیکھی اُن گاڑیوں میں سے ایک میں سوار ہونے کی کوشش کی لیکن ایک سفید لباس میں ملبوس اپنا چہرہ چھپائے بزرگ نے مجھے روک دیا۔

کہنے لگے کہ اِس گاڑی میں صرف یتیم بچے سوار ہو سکتے ہیں اور اُن سب کو ''درِ یتیم'' کے پاس لے جایا جا رہا ہے اور تمھارا نام اُن میں نہیں ہے۔

میرا یہ سننا تھا کہ وہ سب کے سب منظر سے غائب ہو گئے۔

اب نہ بچے تھے نہ گاڑیاں، بس میں تن تنہا میدان میں کھڑی تھی۔

مجھے شدید گھبراہٹ ہونے لگی، اور پھر اچانک میری آنکھ کھل گئی۔

میں پسینے میں شرابور جائے نماز پر تھی اور دل کی دھڑکن کسی ریل کے انجن کی طرح دھڑ دھڑ چل رہی تھی۔ تاہم رب تعالیٰ کی طرف سے مجھے یہ خوشخبری مل چکی تھی کہ میری امی خیر و عافیت کے ساتھ اپنی سلطنت میں واپس آجائیں گی۔

کیوں کہ یہ سلسلہ وفا کا تھا۔ اُس وقت میرا نیٹ ورک کہیں اور مصروف نہ تھا۔

اور یہ عین جوانی کا یقین تھا۔

۲۰۱۵ء:

جب یہ عشق سر چڑھ کر بولنے لگا تو پھر آکسفورڈ اور لارڈ میکالے کے نصاب میں اپنے رب کو پانا ناممکن ہو گیا، سو اسکول کو خیر باد کہا اور مدرسے میں داخلہ لے لیا۔ چٹائیوں پر بیٹھ کر میں نے میراثِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سے اپنا حصہ وصول کرنا شروع کر دیا۔ پیارے اللہ میاں جی نے میری اوقات سے بڑھ کر اپنی اعلیٰ شان کے مطابق خوب نوازا اور پھر نوازتے ہی چلے گئے۔

اُن کی طرف سے وفا کا سلسلہ بڑھتا گیا لیکن......

لیکن میری طرف سے عشق کی نمازیں قضا ہونے لگیں۔

پھر چند برسوں کی محنت کے بعد ہاتھ میں عالمہ فاضلہ کی ڈگری تو آگئی لیکن سوزِ عشق کی لذتیں ماند پڑ گئی تھیں۔

حصولِ دین کا مقصد تھا: خود کو اور دوسروں کو سنوارو۔

شاید اِس مقصد سے بے رغبتی اور سستی نے رب سے رابطے منقطع کر دیے، پھر جدیدیت نے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ مصروفیات آڑے آنے لگیں۔ طرح طرح کی ذمے داریاں سر پر سوار ہو گئیں۔ ''جگ'' کو راضی کرنے کی فکر نے ''رب'' کو راضی کرنے کی فکر کو پسِ پشت کر دیا اور میرے پاس اپنے ہمیشہ کے مہربان رب سے رابطے کا وقت ہی نہ رہا۔

اِس بے حسی نے دنیوی معمولاتِ زندگی میں اتنا مصروف کر دیا کہ سارا سارا دن کولہو کے بیل کی طرح کام کر کے بھی سکون نہ ملتا نہ دنیا والے راضی ہوتے۔ گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ رشتوں کی مٹھاس بے وفائی میں بدلتی چلی گئی۔ تاہم اللہ میاں سے بے وفائی کے باوجود اوپر سے بار بار کالیں آتی رہیں لیکن میرا نیٹ ورک اتنا مصروف ہو گیا تھا کہ جواب کا وقت ہی نہ تھا۔

اور پھر کچھ یوں ہوا۔

گئے دونوں جہاں کے کام سے ہم، نہ اِدھر کے رہے، نہ اُدھر کے رہے
نہ خدا ہی ملا، نہ وصالِ صنم، نہ اِدھر کے رہے، نہ اُدھر کے رہے

کیوں کہ یہ سلسلہ وفا کا تھا جس میں یک طرفہ محبت زیادہ دیر نہیں چلتی۔ دونوں طرف سے مسلسل رابطہ ضروری تھا، لیکن اِدھر سے بے وفائی ہو چکی تھی۔

شاید یہ جوانی کی غفلت تھی۔

☆☆☆

رضائے کامل

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس سالک کو مقام جذب نصیب نہیں ہوا، یعنی اگر اللہ نے اُس کو نہیں کھینچا تو وہ ہر وقت خطرے میں ہے۔ کسی وقت بھی وہ مردود ہو سکتا ہے۔ شیطان سالک تھا، مجذوب نہ تھا۔ ہزاروں برس عبادت کی تھی، لیکن چوں کہ اللہ نے اسے جذب نہیں کیا تھا لہٰذا وہ مردود ہو گیا۔ اسی لیے حکیم الامت نے فرمایا کہ اے سالکو! اگر چاہتے ہو کہ تم اللہ کے راستے میں استقامت سے رہو اور تمھارا خاتمہ ایمان پر ہو تو خدائے تعالیٰ سے جذب کی صفت مانگو کہ اے اللہ! مجھے جذب کر کے اپنا بنا لیجیے۔ مجذوب کبھی مردود نہیں ہو سکتا، کیوں کہ اللہ اسی کو جذب کرتا ہے، اسی کو اپنا مقبول بناتا ہے جو ہمیشہ باوفا ہوتا ہے۔ ہم لوگ دوست بنانے میں غلطی کر جاتے ہیں، کیوں کہ ہمیں مستقبل کا علم نہیں ہے، اس لیے ہم کسی کو دوست بنا لیتے ہیں اور بعد میں وہ غداری کر جاتا ہے، بے وفا ہو جاتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ اسی کو اپنا محبوب اور مقبول بناتا ہے جو ان کے علم میں اس کے لائق ہوتا ہے۔ ایک بار حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے درخواست کی کہ حضرت! دعا کر دیجیے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو رضائے دائمی عطا فرمائے تو حضرت نے فرمایا کہ رضائے دائمی مانگنے کی ضرورت نہیں ہے، کیوں کہ جس سے خدا ایک دفعہ راضی ہوتا ہے پھر کبھی ناراض نہیں ہوتا۔ اگر اس سے کبھی گناہ ہو جائے تو توفیقِ توبہ دیتا ہے۔ توفیقِ توبہ خود علامتِ رضا و مہربانی ہے۔ وہ راضی ہی اُس سے ہوتا ہے جو اس کے علم میں ہمیشہ باوفا ہوتا ہے۔ شیطان جب عبادت کرتا تھا اس وقت بھی مقبول نہ تھا، جذب نصیب نہیں ہوا تھا اس لیے مردود ہو گیا۔ سو مولانا گنگوہی نے فرمایا کہ مولانا اشرف علی! یہ کہو کہ اے خدا! ہم کو رضائے کامل عطا کر دے، دائمی کی قید مت لگاؤ۔

4

انٹرویو باجی عامرہ احسان مدظلہا

یہ محبت کے میٹھے رشتے ہوتے ہیں جس میں شیطان، ڈرامے، افسانے اور نادان لوگ زہر گھولتے ہیں۔ اگر شوہر محبوب ہے اور اپنی والدہ محبوب ہیں تو ویسا ہی یہ رشتہ کیوں مبغوض ہوگا خدانخواستہ؟ یہ رشتہ تکلیف دہ بن جاتا ہے جب دونوں خواتین ساس اور بہو بننے پر کمربستہ ہوجائیں یا بیٹا نادان ہو!

(عائشہ عبدالغفور۔کبیر والہ)

سوال: باجی جان! آپ ماضی کی کس عظیم شخصیت سے بے حد متاثر ہیں؟ کیا آپ نے اس شخصیت کے کردار کو خود اپنانے کی کوشش کی؟

جواب: ایک شخصیت جو ماضی، حال، مستقبل پر محیط ہے، سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہے، اُن جیسا ہونا ہمارے بس میں کہاں...... وہ ہمالہ کی چوٹیوں کی سی بلندی کے حامل اور ہم ذرۂ ناچیز! ہر صحابیؓ کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت، اطاعت، وارفتگی خوب صورت ہے مگر جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور سراپا عجز، اطاعت و جاں سپاری پیش کرتے ہیں تو وہ گہرا تاثر مرتب کرتی ہے۔ وہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس سے کفر پر لرزہ طاری ہوتا ہے اور شیطان جسے دیکھ کر راستہ چھوڑ دیتا ہے، شخصیت کی ہیبت سے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رنگ پھیکا پڑ جاتا ہے۔ سبحان اللہ! وہ میرے کریم نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے آواز اونچی کرنے سے لرزتا ہے، یہ ہے مقامِ نبوت! اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت کا اندازہ تو کیجیے۔ اپنے آخری وقت، شہادت سر پر کھڑی دیکھ کر بھی اللہ کے حضور جواب دہی پر سراپا خشیت ہیں! اسی تسلسل میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا تقویٰ اور للّٰہیت ہے۔ شہزادگی سے نکل کر خلافت نے انھیں کیسا بنا دیا۔ اسلام کے دامن میں کیسے کیسے زر و جواہر ہیں سبحان اللہ! (یہ کل بھی تھے آج بھی ہیں، مگر آج والوں کا ذکر ممنوع ہے!) اُن کے ذکر سے کفر و نفاق پر لرزہ طاری ہوتا ہے!

سوال: عصرِ حاضر کی کس مذہبی اور سیاسی شخصیت سے آپ بہت متاثر ہیں؟

جواب: عصرِ حاضر میں مذہبی، سیاسی، یعنی دینی (مذہب و سیاست، اسلام میں یک جا ہیں!) شخصیت ملا عمرؒ کی ہے جن کی قامت پر اقبال کے بے شمار اشعار راست آتے ہیں۔ خاکی و نوری نہاد بندۂ مولا صفات، ہر دو جہاں سے غنی اس کا دلِ بے نیاز، اس کی امیدیں قلیل، اس کے مقاصد جلیل، اس کی ادا دل فریب، اس کی نگاہ دل نواز۔ نرم دمِ گفتگو، گرم دمِ جستجو، رزم ہو یا بزم ہو پاک دل و پاک باز۔ نقطۂ پرکارِ حق، مردِ خدا کا یقین اور یہ عالم تمام وہم و طلسم و مجاز!

تاریخ بدل دینے والی ہستی سادگی میں ضرب المثل، عزم میں مثلِ جبل، ایک مسلمان کی خاطر جس نے پورا ملک داؤ پر کیا لگایا، امریکا نیٹو کا قبرستان آباد ہوگیا! سائنس ٹیکنالوجی کچرا بن کر رہ گئی۔

(ام انابیہ۔ٹنڈو آدم)

سوال: اگر ایک عورت اپنا پورا وقت اپنے خاندان کو دیتی ہے اور ایک آسودہ خاندان تشکیل دیتی ہے تو وہ اپنی ذاتی صلاحیتوں کو تسکین دینے کے لیے کیا کرسکتی ہے؟ جبکہ خاندان کو دیے جانے والے وقت میں کٹوتی خاندان کو متاثر کرسکتی ہے اور ذاتی صلاحیتوں کو دبانے سے اپنا آپ مطمئن نہیں ہوتا، کیا کریں؟

جواب: اہم بات یہ ہے کہ وہ ذاتی صلاحیتیں کیا ہیں جو ابھی تشنہ ہیں؟ عورت کی صلاحیتوں کا شاندار مظہر ایک آسودہ خاندان ہے۔ اگر جو صلاحیتیں بچ رہی ہیں وہ از قسم علمی صلاحیت ہیں تو یقیناً استعمال کی جاسکتی ہیں، خاندان کی آسودگی متاثر کیے بغیر۔ صلاحیت کی نوعیت جانے بغیر اس سوال کا جواب ممکن نہیں! یہ جان لیجیے کہ نوکری/ ملازمت بہر صورت عورت کی صلاحیت کے اظہار کا مناسب ذریعہ نہیں۔ اس سے عورت اور گھر دونوں ہی ناآسودہ ہوجاتے ہیں!

(صبیحہ عماد۔کورنگی کراسنگ، کراچی)

سوال: کیا آپ کی ساس ایک روایتی ساس تھیں؟ اور کیا جب آپ ساس بنیں تو آپ نے اس روایت کو برقرار رکھا یا آپ ایک مختلف من چاہی ساس ثابت ہوئیں؟

جواب: میری مرحومہ ساس بحمداللہ روایتی ساس نہیں تھیں۔ بہت زیادہ نظریاتی اختلاف کے باوجود باہمی تعلق بہر طور محبت اور احترام کا تھا۔ ساس بہو پن ہمیں باہم محسوس نہ ہوا۔ اختلاف تو سگی ماں سے بھی ہوسکتا ہے، اُس سے رشتے میں کجی نہیں آتی۔ اللہ کا شکر ہے میں نے ساسوں کی کہانیاں ہی پڑھی ہیں، برتی دیکھی نہیں ہیں۔ میری والدہ بھی اس سے پاک تھیں۔ یہ محبت کے میٹھے رشتے ہوتے ہیں جس میں شیطان، ڈرامے، افسانے اور نادان لوگ زہر گھولتے ہیں۔ اگر شوہر محبوب ہے اور اپنی والدہ محبوب ہیں تو ویسا ہی یہ رشتہ کیوں مبغوض ہوگا خدانخواستہ؟ یہ رشتہ تکلیف دہ بن جاتا ہے جب دونوں خواتین ساس اور بہو بننے پر کمربستہ ہوجائیں یا بیٹا نادان ہو! روایتی ساس (یا بہو) بننا خود اپنی ذات کے لیے تکلیف دہ اور کڑوا پہلے بنتا ہے، پھر دوسرے فریق کو تکلیف بعد میں پہنچتی ہے۔ کڑھنے جلنے سڑنے کے بعد ہی جلی بھنی ساس/ بہو کڑوی کسیلی کرے گی! کتنا بدذائقہ اور اذیت ناک عمل ہے۔ محبت، درگزر میں مٹھاس ہے۔ ڈٹ کر یہ مٹھاس اپنایئے۔ اس سے ذیابیطس نہیں ہوتی۔ تھوڑا سا فاصلہ رکھ کر، دخل در معقولات (دونوں اطراف سے) نہ ہو تو موسم بہتر ہوسکتا ہے۔ ساس تجربہ کار اور سمجھ دار ہوتی ہے، ہونی چاہیے اور صابر بھی۔ اسے اپنے بیٹے کا گھر آباد رکھنا ہے۔ صبر کرے۔ پہلے بہو کا اعتماد حاصل کرے کہ وہ اس کی خیر خواہ ہے، اس سے محبت کرتی ہے۔ بیٹے کی بجائے بہو کی طرف داری کرے تو حالات بہتر ہوسکتے ہیں۔ بہو دل سے منفی جذبات نکال پھینکے۔ اس رشتے کی استواری کے لیے بھی دعاؤں اور صلوٰۃ الحاجت کا سہارا لیا جائے۔ محبت اللہ کے سوا کوئی نہیں ڈال سکتا جس نے فرعون کے سینے میں موسیٰ علیہ السلام کی محبت (ننھے بچے تھے جب) ڈال دی:

القیت علیک محبۃ منی۔ (طہٰ۔۳۹) یہ رشتہ شیطان تکلیف دہ بناتا ہے۔

سوئیاں چبھوتا ہے وسوسے ڈال کر، اِس سے بچنے کی فکر ہو!

سوال: باجی جان! ایک اصطلاح me-time زبان زدِ عام ہے، جب عورتیں اٹھلاتے ہوئے موبائل اٹھا کر کہتی ہیں یہ میرا me-time ہے۔ ایک عام عورت بھی اس اصطلاح سے متاثر ہوگئی ہے۔ براہِ مہربانی آپ اس اصطلاح کی صحیح اصلاح کر دیجیے۔

جواب: عورت اٹھلاتے ہوئے 'me-time' کہتے سورۃ العصر بھول چکی ہوتی ہے۔ اس امتحان کی دنیا میں احتیاط درکار ہے۔ لغویات سے بچنا، وقت کی قدر دانی سرمایۂ حیات ہے۔ (سورۃ المومنون) یہ بنیادی صفت ہے۔ کمرۂ امتحان کم و بیش سبھی نے دیکھا بھگتا ہے تعلیمی زندگی میں۔ پرچہ دیتے ہوئے اٹھلانے لگی تو فیل ہو جائے گی......! 'میرا وقت میری مرضی' نہیں چلے گی! آدھا فتور تو 'میری مرضی' اصطلاح کا ہے۔ تھک گئی ہیں؟ چلیے والدہ/ بہن/ نند/ بھابی/ اچھی سہیلی سے بات کر کے حال احوال پوچھ کر مثبت شگفتہ گفتگو سے تازہ دَم ہوا جا سکتا ہے۔ یہی جائز حدود ہیں۔ اٹھلا کر اٹھایا ہوا موبائل تو فتنے کی خبر دے رہا ہے۔ زندگی میری ہے۔ ایک ہی ملی ہے۔ اسے دنیا آخرت کے برے انجام سے بچانا میرے ہی ذمے ہے۔ اس فکر سے کہیے: me-life، اسے نامراد موبائل کی نذر کر کے نامۂ اعمال سیاہ کرنا ممکن نہیں۔ موبائل دجال کا کان ہے، آپ کا جاسوس ہے، کن سوئیاں لیتا، خبر رکھتا ہے۔ دلفریبیاں پیدا کر کے اغوائے شیطانی کا آلہ ہے۔ الحذر...... الحذر...... میری زندگی بحمداللہ اس بلا سے کلیتاً پاک ہے، کسی قسم کا موبائل نہیں ہے!

لعنت اللہ علی الکاذبین ترجمہ: جھوٹوں پر اللہ کی لعنت

جوہرِ ادرک مرکب زعفرانی

ادرک اللہ تعالیٰ کی بیش قیمت نعمت ہے اس میں بہت سی بیماریوں کی شفاء پوشیدہ رکھی ہے ادرک کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ اس کی خوشبو جنت کے مشروب میں شامل کیا ہے شہنشاہ روم نے روسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں ادرک کے مربہ کا ایک برتن بطور تحفہ پیش کیا آپ ﷺ نے ایک ایک ٹکڑا تمام صحابہ کو دیا جس چیز کو نبی کریم ﷺ نے پسند فرمایا اس کی افادیت کیا ہوگی

فوائد: جوہر ادرک مرکب اعضائے رئیسہ کو طاقت بخشتا ہے، بہت اعلیٰ درجہ کا مقوی باہ ہے جوڑوں کا درد، کمر کا درد، پٹھوں کا درد، فالج، لقوہ، مہروں کا درد، گردن کا درد، سر درد کیلئے مفید مؤثر ہے گردہ اور مثانہ کو طاقت بخشتا ہے، فرحت اور سکون دیتا ہے

قیمت/2080 روپے

فری ہوم ڈیلوری کے لیے ملک بھر سے ابھی فون کریں اور رقم کی ادائیگی پارسل ملنے پر کریں

0308-7575668 قائم شدہ 1950 دار الخدمت

(بشریٰ عرفان)

سوال: عالمی اور ملکی حالات سے باخبر رہنے کے لیے آپ دن کا کتنا وقت خبریں پڑھنے، سننے اور دیکھنے میں صرف کرتی ہیں؟

جواب: حساب رکھنے میں بہت کمزور ہوں۔ یوں سمجھ لیجیے کہ عمر کے اُس حصے میں اب اصل مصروفیت مطالعہ، لکھنے پڑھنے ہی کی ہے۔ خبریں دیکھتی نہیں ہوں، نہ کالی اسکرین گھر میں ہے، نہ موبائل۔ روزانہ دو اخباروں کا مطالعہ، خبریں اور اہم کالم...... جس دن لکھنا ہو اس دن اضافی طور پر عالمی حالات کے لیے مزید الجزیرہ یا ڈان وغیرہ نیٹ پر پڑھ لیتی ہوں، لیپ ٹاپ سے اور بس۔ لکھنا وقت طلب یوں ہوتا ہے کہ ہر سطر کا درست معلومات پر مبنی ہونا کالم نگار کی ذمہ داری ہوتی ہے، سو چھان بین میں وقت لگتا ہے۔ بعض اوقات ایک جملے کی خاطر درست فہم حاصل کرنے یا حوالہ تلاش کرنے میں کتنا کچھ تلاشنا پڑ جاتا ہے (ضمناً یہ واضح رہے کہ کالم ہوں یا کتب، کبھی ایک روپیہ بھی اس مد میں بحمداللہ وصول نہیں کیا۔ یہ کام کلیتاً اللہ کی رضا اور دعوتِ دین کی نیت سے ہے)۔

(ڈاکٹر سارہ الیاس۔ ڈیرہ غازی خان)

سوال: آپ مثبت اور منفی تنقید میں کیسے تمیز کرتی ہیں؟

سوال: کیا تنقید آپ پر اثر انداز ہوتی ہے؟ یا آپ اپنے موقف پر سختی سے جمی رہتی ہیں؟

جواب: (۱۔۲) جو بھی لکھتی ہوں اس کے پس منظر میں نظریہ کارفرما ہوتا ہے۔ تنقید کرنے والا بے چارہ تو اپنے نقطۂ نظر سے مثبت ہی تنقید کر رہا ہوتا ہے، تاہم اگر وہ امریکا (دشمن جاں!) کا دفاع پیش کرے گا تو میرے لیے وہ منفی تنقید قرار پائے گی! کیا کیجیے، بچشم سر دیکھ کر ان کی تہذیب، تاریخ میں ان کا طریقِ واردات جان کر اسی نتیجے پر پہنچی ہوں۔ سو موقف پر ایسی صورت میں جمے رہنا تو بنتا ہے نا! اگرچہ واضح رہے کہ دنیائے کفر کے عوام لاعلم اور مظلوم ہیں اپنی قیادتوں کے ہاتھوں۔ یہ پالیسی سازوں اور قیادتوں سے ہمارا جھگڑا ہے۔ ورنہ ان کی وال اسٹریٹ تحریک اِس پر گواہ ہے کہ ان کے عوام دبے پسے اور بدترین استحصال کا نشانہ ہیں۔ وہاں رہتے ہوئے ہمہ نوع عام امریکی خواتین سے بہت اچھا مکالمہ اور تعلق رہتا تھا۔ دعوتِ دین انہی کا حق ہے۔ اگرچہ جمہوریت میں عوام کالانعام ہوتے ہیں، بھیڑ چال میں ووٹ دیتے ہیں بلا سوچے سمجھے۔

سوال: کیا آپ 'بچوں کو اپنا دوست بنائیں' والے مقولے پر یقین رکھتی ہیں؟ اور کیا 'صرف پیار' والا اُسلوب ٹھیک ہے یا شیر کی نگاہ سے دیکھنے والا؟

جواب: بچوں سے قرب، محبت اور دوستی ماں کے لیے فطری ہے مگر تھوڑے سے فاصلے اور رعب کو قائم رکھتے ہوئے۔ کھلائیں روٹی کا نوالہ (نہ سونے کا نہ برگر کا!) دیکھیں حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نظر سے، جنھوں نے بیٹے کو زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ جیسا شیر بنا دیا۔ بیٹا حمزہ کہتا تھا: (اپنے کسی دوست کے حوالے سے تقابل میں) 'ہم تو اپنی امی سے ڈرتے ہیں!' باوجودیکہ چاروں بیٹوں سے قرب ایسا ہی رہا کہ وہ ہر بات مجھی سے کرتے، کر سکتے تھے۔ (جاری ہے)

درست فیصلہ

جویریہ ساجد

میں نے جس سال اکنامکس میں ماسٹرز کیا، اسی سال میری جاب ہوگئی۔ جس کالج سے میں نے بی کام کیا تھا وہ اُس وقت ہمارے شہر کا واحد اور بڑا پرائیویٹ کالج تھا۔ اسی کالج نے مجھے لیکچرر شپ آفر کی اور میں نے فوری جوائن کرلیا۔ سب سے پہلی کلاس جو مجھے پڑھانے کو ملی وہ بی کام پارٹ ٹو یعنی فورتھ ایئر کی کلاس تھی، جسے مجھے مائیکرو اکنامکس اور انکم ٹیکس لا پڑھانا تھا، جبکہ تھرڈ ایئر کو مائیکرو اکنامکس پڑھانے کو ملی۔ وہ بہت محنت کا سال تھا۔ میرے اپنے اساتذہ جو اَب میرے کولیگ تھے، انھوں نے میری بہت راہنمائی کی۔ پہلے ہی سال میرے پڑھانے کے ڈنکے بجنے لگے۔ مجھے میرے کالج نے ایم بی اے ایگزیکٹو کلاس کے بھی لیکچر دے دیے، جہاں مجھے پروفیشنلز کو ہائی لیول پر اکنامکس پڑھانی تھی۔ رات رات بھر لیکچرز تیار کرنا، سارا سارا دن موضوع سے متعلق مختلف کتابیں پڑھنا، اخبارات کھنگالنا، مدعا مختصر محنت رنگ لائی اور مجھے شہر میں تیزی سے کھلتے بڑے پرائیویٹ کالجز سے جاب آفر آنی شروع ہوگئیں۔

شہر کے تقریباً تمام بڑے کالجز میں وزیٹنگ لیکچرر کے طور پر مجھے بلایا جانے لگا۔ شہر میں یونیورسٹی کا کیمپس بنا تو وہاں بھی لیکچر دینے شروع کیے۔ یونیورسٹی میں جاب کے دوران کئی سیمینار اور ورکشاپس کروائیں۔ بہر حال جب میری شادی ہوئی تو اس وقت میں کمائی اور نام کی وجہ سے اپنے کیریئر کے عروج پر تھی۔ ایک بڑے ادارے میں ہیڈ آف ڈپارٹمنٹ تھی۔ بہت اچھا کماتی تھی۔ ایک طویل عرصے سے کمائی اور اخراجات میں خودکفیل تھی۔ وہ میرے کیریئر کا عروج تھا۔ بینک ہو یا نادرا، پاسپورٹ آفس ہو یا چیمبر آف کامرس، شہر کے ہر چھوٹے بڑے ادارے میں میرے طلبہ موجود ہوتے تھے۔ شادی ہوئی تو شہر چھوڑنا تھا۔ اپنے شہر کے اداروں کو بھی خیرباد کہنا تھا۔ سرکاری نوکری کی طرف میرا رجحان کبھی بھی نہیں رہا۔

خیر جب شادی ہوئی تو میرے آگے ایک بہت بڑا سوالیہ نشان تھا کہ جاب جاری رکھنی ہے یا نہیں؟ یہ میرے لیے ایک مشکل فیصلہ تھا مگر میں نے بہر حال فوراً جاب نہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ ایک سال بعد محمد بن کبیر ہماری زندگی میں آئے۔ مجھے کالجز سے آفر آنا شروع ہوئیں۔ میرے میاں جی نے مجھ پر کوئی پابندی نہیں لگائی تھی۔ وہ بڑے تعاون کرنے والے شخص ہیں۔ اُن کے نزدیک یہ فیصلہ میرا اپنا تھا، وہ ہر دو صورتوں میں تعاون پر آمادہ تھے۔ اب ایک طرف میرا کیریئر تھا، میری اپنی ہینڈسم کمائی، میری شناخت، میرا وقار اور میرا زعم تھا کہ میں خود کماتی ہوں۔ دوسری طرف میرا گھر، میرا شوہر اور بچہ تھا۔ مشترکہ خاندانی نظام میں تھا۔ گھر تو چل ہی رہا تھا، میاں بھی بہت اچھے تھے، اصل بات بچے کی تھی کہ میں چھ گھنٹے کے لیے اپنا دو ماہ کا بچہ گھر چھوڑ کے جاؤں تو کیوں جاؤں؟

میں نے سوچا کہ آخر میری زندگی میں کیا کمی ہے؟

مجھے جاب کرکے کیا حاصل ہوگا؟

اس سوال کا جواب سوچا تو جانا کہ سب کے سب فائدے میری ذات تک تھے۔ مجھے کھلی ہوا نصیب ہوگی، شاید میرا وقت اچھا گزرے گا اور میرا کیریئر مضبوط ہوگا۔ میری شخصیت کا اعتماد بحال ہوگا کہ میں اب بھی خود کما رہی ہوں۔ چار برانڈڈ سوٹ مزید بنالیا کروں گی، مہنگے جوتے، بیگز، پرفیومز کی تعداد بڑھ جائے گی، مگر مجھے اُس کی قیمت کیا ادا کرنی پڑے گی؟

جی ہاں! میرا چھوٹا معصوم بچہ چھ گھنٹے مجھ سے الگ رہے گا۔ یقین کیجیے، ایک ماں کے لیے یہ بہت بڑی قربانی ہے۔ سو میں نے اپنے بچے کو سینے سے لگایا اور اپنی شخصیت کو ایک اچھی ماں کا روپ دینے کا فیصلہ کیا۔ اس کے بعد دو اور بچے میری جھولی میں آئے اور میری زندگی کا اوڑھنا بچھونا یہی بن گیا۔ تیسرے بیٹے کی پیدائش کے بعد میں نے یونیورسٹی دوبارہ جوائن کی اور ہفتہ وار تین چار لیکچر لینے لگی۔ اب جب تینوں بچے سکول جاتے ہیں، میں تینوں بچوں کو خود پڑھاتی ہوں۔ آج جب میں پیچھے مڑ کے دیکھتی ہوں اور اپنے اُس وقت کے فیصلے پر نظر دوڑاتی ہوں تو مجھے احساس ہوتا ہے کہ میرا اُس وقت کا فیصلہ میرے، میرے گھر اور میرے بچوں کے لیے بہترین فیصلہ تھا۔

میں نے دو کشتیوں کا سوار بننے کا راستہ نہیں چنا۔ میں نے خود کو کیریئر اور گھرداری میں کنفیوز نہیں کیا۔ میرا مقصد واضح تھا۔ میں نے اپنے بچوں کے لیے بہت کچھ سیکھا۔ سب سے پہلے میں نے محمد کے پیدا ہوتے ہی قرآن پاک کو مکمل تجوید کے ساتھ دوبارہ سے سیکھا تاکہ میں اپنے بچوں کو صحیح طریقے سے قرآن پاک خود پڑھا سکوں۔ میں نے ترجمہ، تفسیر، سیرت پڑھنی شروع کی۔ میں نے پیرنٹنگ کے کورسز کیے۔ سب سے بڑھ کے میں نے یہ سیکھا کہ میری مثبت شخصیت میرے بچوں کے لیے کس قدر فائدے مند ثابت ہوگی، اِس لیے خود کو مزید مثبت بنانے پر توجہ دی۔ میں اپنی شخصیت کی تراش خراش کرتی گئی۔ میں نے انگریزی گرامر بھی سیکھی، اب ملٹی لینگویجز سیکھنا شروع کر رہی ہوں۔

آج جب میں پیچھے مڑ کے دیکھتی ہوں تو میں ایک کامیاب کیریئر وومن کی نسبت اپنے آپ کو زیادہ مثبت، زیادہ مضبوط، زیادہ بہتر پاتی ہوں، جس کا فائدہ میرے بچوں کو بھی ہوا۔ میں نے اپنی ذات سے نکل کر زیادہ وسیع کینوس پر محنت شروع کی۔ میں نے خود کو اندھا دھند بھاگنے میں نہیں تھکایا۔ میری تعلیم نے مجھے یہ سکھایا کہ زندگی میں ترجیحات بدلنے کے ساتھ خود کو بدلنا ہی بہترین فیصلہ ہے۔ میری تربیت نے مجھے یہ سکھایا کہ کسی بڑے مقصد کے لیے قناعت پسندی کے ساتھ جینا، کسی وقت میں اپنے طرزِ زندگی پر سمجھوتا کرلینا، کچھ کم اشیاء پہ گزارا کرلینا کوئی بہت

بڑی قربانی نہیں ہے۔

میں نے ایک جگہ طنزیہ فقرہ پڑھا کہ پڑھی لکھی بیوی کے شوہر تندور سے روٹیاں ہی لگواتے پائے جاتے ہیں، جبکہ میں سمجھتی ہوں کہ اُن پڑھ لڑکیوں کے شوہر بچوں کے ٹیوشن سینٹر کے چکر لگاتے عمر گزارتے ہیں۔ فیصلہ ہمارا اپنا ہے۔ ایک شادی شدہ عورت کے لیے جاب کرنا کسی بھی طرح آسان نہیں ہے، جس کی قیمت وہ کسی نہ کسی صورت ادا ضرور کرتی ہے۔ میں نے اپنے بچوں کو جتنا میری بساط تھی، سب کچھ بہتر دیا۔ جاب کرتی ہوئی عورت کچھ بھی کرلے، اِس احساسِ جرم میں رہتی ہے کہ میں اپنے بچوں کو اپنا بہترین وقت نہیں دے پائی۔ اپنی شخصیت سنوارتے، کیریئر بناتے، اپنا وقار بڑھاتے، جب بچے محفل میں چپڑ چپڑ کرکے کھانا کھاتے ہیں، گھگھیا گھگھیا کر بولتے ہیں، تھرل کے نام پر لڑکیوں سے پرس چھیننا، ہنگامے کرنا، سگریٹ وغیرہ کی بری عادتوں میں پڑجاتے ہیں، تب جو ڈپریشن کے حملے اُن ماؤں کو ہوتے ہیں، وہ اُن تمام میڈلوں اور انعامات سے کہیں زیادہ خوفناک ہیں جو کیریئر وومن کو ملتے ہیں۔

میرا فیصلہ میرا انتخاب اپنی جگہ، لیکن میں اُن تمام خواتین کو بھی بہت قدر کی نگاہ سے دیکھتی ہوں جو ضرورت اور مجبوری کے تحت شادی کے بعد جاب کرتی ہیں اور چاہتے ہوئے بھی اپنے بچوں کو وقت نہیں دے پاتیں۔ بچے تو بچے، اُن کی اپنی صحت بھی توجہ طلب ہوجاتی ہے اور وہ وقت نہیں نکال سکتیں۔ اس کے ساتھ ہی میں اُن تمام خواتین کو بھی پسند نہیں کرتی جو جاب تو نہیں کرتیں، مگر بچے اسکول بھیج کر آدھا دن سوتی ہیں، بچوں کو ٹیوشن بھیج کے ڈرامے دیکھتی ہیں، صبح شام میکوں کے چکر لگاتی ہیں، بازاروں میں ونڈو شاپنگ کرتی ہیں، فون کالز پر پورے خاندان کو تگنی کا ناچ نچاتی ہیں۔

میں آپ سب خواتین سے یہ کہنا چاہتی ہوں کہ آپ جاب کرتی ہیں یا نہیں، اپنی زندگی کو با مقصد، معیاری اور مثبت کاموں میں صرف کریں۔ اپنی ترجیحات کا درست تعین درست وقت پر کریں۔ جاب کریں یا گھر پر رہیں، اپنی شخصیت سنوارنے پر بھرپور توجہ دیں۔ وقت اور صحت کی بہت قدر کریں۔ شخصیت گھر پر رہ کے بھی نکھر سکتی ھے۔ اپنے بچوں کی تربیت کو ترجیحات میں سب سے اوپر رکھیں۔ صرف مردوں کو نیچا دکھانے کے لیے جاب مت کریں۔ صرف اپنے آپ کو ثابت کرنے کے لیے خود کو خوار مت کریں۔ گزارا اچھا ہو رہا ہے ٹھیک ہے۔ طرزِ زندگی (لائف اسٹائل) کوئی چیز نہیں ہے، جس کے لیے بچوں کو نسوار سگریٹ کا عادی کر دیا جائے۔ مردوں سے برابری کرنے کے لیے بیٹوں کو اپنی بے توجہی سے مت بگاڑیں۔ مخصوص قسم کے لبرل بیانیے بہت مضحکہ خیز ہیں، انھیں پہچانیں۔ یہ ایک طرف عورتوں کو آزادی دینے کی بات کرتے ہیں، دوسری طرف بچوں کی تربیت کی بھی ذمے داری انہی پر ڈالتے ہیں۔ اُن سے پوچھیں عورت کو تو آپ نے گھر کی ذمے داریوں سے آزاد کر دیا تو تربیت کون کرے گا۔ یہ آگے سے آئیں بائیں شائیں کریں گے۔

بہنو! ہر چمکتی ہوئی چیز سونا نہیں ہوتی، انگارہ بھی ہوسکتی ہے۔

☆☆☆

زمین سے آنے لگی صدا

تجارتی چیزوں کے نام قائداعظم کے نام پر رکھنے کی تو پابندی ہے لیکن علامہ اقبال کے نام پر غالباً قطعاً پابندی نہیں نہ ان کے اشعار اور مصرعوں کو برتنے پر کوئی قدغن ہے لہٰذا ہم اس قسم کے اشتہار دیکھتے ہیں تو قطعاً تعجب نہیں ہوتا:

''شکار مردہ سزاوار شہباز نہیں''

علامہ اقبال نے بالکل سچ فرمایا ہے، ہر قسم کے زندہ تیتر، بٹیر، مرغ، شتر مرغ وغیرہ خریدنے کے لئے دکان نمبر ''114 ایمپریس مارکیٹ'' تشریف لائیے۔

''کبھی سر بسجدہ جو میں ہوا تو زمین سے آنے لگی صدا''

کہ ہر قسم کے جانماز اور دریاں وغیرہ حاجی عید محمد اینڈ سنز بندر روڈ کے ہاں بارعایت مل سکتی ہیں۔

''اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی''

جو بھولو فلور ملز ناظم آباد کے ہاں کا پسا ہوا اور کوڑے کرکٹ سے پاک نہ ہو۔

علامہ مرحوم زندہ ہوتے تو ہمیشہ ہمارے ہاں کا پسا ہوا آٹا استعمال کرتے۔ علامہ مرحوم سے لوگوں کی عقیدت کا یہ حال ہے کہ پچھلے دنوں جوڑیا بازار کراچی کے ایک لوہے یعنی ہارڈ ویئر مرچنٹ نے اشتہار دیا تو اس کا عنوان بھی کلام اقبال میں ڈھونڈا ع

''جو ہو ذوق یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں''

نیچے رقم تھا اپنی بھینسوں، گائیوں کے باندھنے کے لئے علامہ اقبال مارکہ زنجیریں ہمارے ہاں سے خریدیئے، اصلی فولاد کی ہیں اور ایسی مضبوط کہ ذوقِ یقین کے باوجود نہیں کٹ سکتیں، غلط ثابت کرنے والے کو علامہ اقبال کی کتابوں کا سیٹ جرمانے میں دیا جائے گا۔

ابن انشاء کی ''خمار گندم'' سے ام یحییٰ کراچی کا انتخاب

میری سہیلیاں بھابھیاں

بنت نصیر۔ لاہور

نند اور بھابی......!

یہ دو ایسے رشتے ہیں جن کی مٹھاس یا خدانخواستہ کڑواہٹ کا اندازہ ہم تب تک نہیں لگا سکتے، جب تک خود اِن رشتوں میں نہ بندھ جائیں۔

دس سال کی تھی، جب بھائی کی شادی ہوئی۔ اس عمر میں پتا بھی نہیں تھا کہ نند بھابی کیا رشتے ہوتے ہیں، البتہ ایک خوشی سی تھی کہ گھر میں بھابی آ رہی ہیں۔ میری بڑی بہن جب میں آٹھ سال کی تھی، سسرال رخصت ہو چکی تھیں، اِس لیے بہنوں کی آپس میں دوستی وغیرہ جو ہوتی ہے وہ کبھی دیکھی ہی نہیں۔ ایک تو میں اُن سے دس سال چھوٹی تھی، دوسرا ان کے ساتھ اتنا وقت بھی نہیں ملا تو مجھے زیادہ خوشی اس بات کی تھی کہ گھر میں ایک خوشگوار اضافہ بہن جیسے رشتے کا ہونے جا رہا ہے اور دوسرا اماں ابو کا ہر بات میں انھیں بیٹی سے تشبیہ دینا اِس بات کو پکا کر چکا تھا کہ آنے والی بھابی نہیں بہن ہوگی۔

شادی کے وقت وہ صرف سترہ سال کی تھیں۔ اپنے گھر کی انتہائی لاڈلی اور شاید اسی وجہ سے کام کاج میں صفر، جس کا ذکر اُن کے والدین ہم سے کر چکے تھے، مگر اماں مطمئن تھیں کہ کوئی بات نہیں، وقت آنے پر سب سیکھ جائے گی۔ خیر بھابی ہمارے گھر آ گئیں اور گویا بہار آ گئی۔ جھٹ سے ہماری دوستی ہوگئی۔ بھائی کے مدرسے جانے کی دیر ہوتی اور وہ مجھے آواز لگاتیں کہ اوپر آ جاؤ، میں تو بیٹھی ہی اِسی انتظار میں ہوتی تھی، اوپر جاتی اور دنیا جہاں کے کھیل شروع۔ اُن کا کم سن ہونا میرے لیے اچھا ثابت ہوا تھا کیونکہ مجھے وہ بالکل اپنے جیسی ہی لگتی تھیں، لیکن آہستہ آہستہ اُن کی میری بڑی بہن سے زیادہ بننے لگی کہ وقت کے ساتھ ساتھ وہ میچور ہوتی جا رہی تھیں۔ میری ابھی بھی وہی جگہ تھی، البتہ فرق یہ آیا تھا کہ اب وہ میرے ساتھ سہیلی کی طرح نہیں، بڑی بہن کی طرح برتاؤ کرنے لگیں۔ شاید اس لیے بھی وہ ایک پیاری سی کلی کی اماں بن چکی تھیں اور کام کاج میں طاق۔ میں صبح اسکول جاتی، گھر آتی تو ان کے ہاتھ کا پراٹھا کھانے کا الگ ہی مزہ ہوتا، حالانکہ جب شادی ہو کر آئی تھیں تو انھیں پیڑا بھی ٹھیک سے بنانا نہ آتا تھا۔ اماں نے پیار محبت سے انھیں ہر چیز بنانا سکھائی اور اُن میں بھی سیکھنے کی لگن تھی تو ماشاءاللہ بہت جلد ہر کام میں طاق ہوگئیں۔

ایسا تو خیر نہیں ہے کہ ہمارے درمیان کبھی کوئی بات ہی نہ ہوئی ہو کہ چھوٹی موٹی باتیں تو ماں بیٹی اور بہنوں میں بھی ہو جاتی ہیں، البتہ کبھی بھی کوئی بات لمبی نہیں چلی۔ کبھی کبھار شیطان مجھے بہکا دیتا تھا۔ مثلاً میرے دل میں بھابی سے پہلی بار رنجش تب پیدا ہوئی، جب ہمارے ایک جیسے عید کے جوڑے بنے تو انھوں نے مجھ سے پہلے اپنا جوڑا پہن لیا، جبکہ اصولاً ہمیں ساتھ پہننا تھا، کیوں کہ جب انھوں نے پہلے پہن لیا تو دوسرے دن جب میں پہنتی تو دیکھنے والے یہی سمجھتے ناں کہ میں نے بھابی کا جوڑا پہن لیا ہے یا کم از کم ڈیزائن تو پرانا ہوگیا نا! بس اسی بات سے مجھے بہت دکھ ہوا اور میں اُن سے ناراض ہوگئی۔ شیطان بھی کیسا مکار تھا، عین عید والے دن ناراضی کروادی، لیکن میری اماں نے اس بات میں میرا ساتھ بالکل نہیں دیا کہ اُن کے نزدیک یہ ایسی کوئی بڑی بات نہیں تھی کہ یوں منہ بنا کر بیٹھ جایا جائے۔ کچھ دیر میں مہمان آنے والے تھے۔ اماں نے میرا منہ پھلا دیکھ کے مجھے اچھی خاصی ڈانٹ پلا دی اور کہا کہ جاؤ بھابی کے ساتھ ہاتھ بٹاؤ اور دل صاف کر کے پہلے کی طرح اس کے ساتھ ہنسو بولو، گو یہ بہت مشکل کام تھا لیکن مجھے کرنا تھا اور پھر باورچی خانے میں بھابی کے ساتھ کام کرتے کرتے پتا ہی نہ چلا کہ کب میرے اور بھابی کے قہقہوں کی آواز لاؤنج تک آنے لگی۔ یونہی ہنستے کھیلتے روز و شب گزرتے رہے۔ مجھے تھوڑی اور سمجھ آئی تو پھر ہم پکی والی سہیلیاں بن گئے۔ شادی بیاہ میں کہیں جانا ہوتا تو ہم اکھٹے بیٹھتے۔ لوگ یقین نہ کر پاتے کہ یہ بہنیں نہیں، نند بھابی ہیں۔

اب تو وہ علیحدہ ہو چکیں اور اُن کی دکھ سکھ کی رازدار اب بھی ان کی بڑی نند یعنی میری بڑی بہن ہی ہیں، لیکن مجھے اِس پر کوئی ملال نہیں، کیونکہ میری ہم راز سہیلی تو اب آ رہی تھیں، جی ہاں میری چھوٹی بھابی......!

بڑی بھابی کے آنے کے پانچ سال بعد ہمارے گھر میں دوسری بھابی آ رہی تھیں۔ ہمارے اور اُن کے ماحول میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ اُن کے ہاں عبایا یا پردے کا کوئی تصور نہیں تھا، بس بڑی سی چادر اوڑھ لی جاتی تھی لیکن ویسے بچوں کی تربیت بہت اچھے انداز میں ہوئی تھی، اِس لیے اماں ابا کو لگا کہ بچی ہمارے پردے والے ماحول میں آسانی سے ڈھل جائے گی۔ بھابی کے والدین کو البتہ بہت مشکل لگ رہا تھا ہمارا ماحول بھی اور ہمارے طور طریقے بھی (شرعی پردہ اور مرد و زن کی الگ بیٹھک اور دوسری پابندیاں)۔ ابو جان نے مگر بہت حکمت سے اُن کے سارے اندیشے دور کیے اور بخیر و عافیت شادی ہوگئی۔

بقیہ: علمی درس گاہوں کی روشنی

کہنے لگیں: ”دریا گنج میں فرنگی خانہ ہے، وہاں ایران کی خانم فارسی پڑھاتی ہیں۔“

میں نے ابا جی سے ضد کی تو ابا جی نے میرے لیے ایک تانگہ دریا گنج آنے جانے کے لیے لگا دیا۔ میں اماں جی کی ساتھ ہفتے میں دو دن خانم سے فارسی پڑھتی تھی۔ ابتدا میں وہ فارسی کا مطلب انگریزی زبان میں بتاتی تھیں، پھر فارسی کا مطلب فارسی میں ہی بتاتیں۔ یہاں میں نے دو سال پڑھا، اس زمانے میں فارسی زبان میں نفیسہ آپا جان سے خوب باتیں کرتی تھی۔ (جاری ہے)

پہلے دن میں نے انھیں بھابی کہا تو کہنے لگیں:
"تم مجھے باجی آپی کچھ بھی کہہ سکتی ہو، بھابی نہیں۔"
"لیکن کیوں؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔
"کیونکہ اِس سے مجھے لگے گا، میں بھابی ہوں، جبکہ میں بہن بن کر رہنا چاہتی ہوں۔"

یہ بات سن کر میں خوش ہوگئی۔ پھر پہلے ہی دن انھوں نے اماں کو "امی جی" کہہ کر بلایا تو بہت اپنائیت کا احساس ہوا اور پھر وہ ہم سب کے دل میں گھر کرتی چلی گئیں۔

انھوں نے ہمارے ماحول کو اِس قدر جلد اپنایا کہ اُن کے اپنے خاندان والے ولیمے والے دن انھیں مکمل پردے میں دیکھ کر حیران رہ گئے۔ کسی نے ان سے پوچھا کہ تمھیں برقع پہننے کو کس بات نے مجبور کیا تو کہنے لگیں، مجھے اچھا نہیں لگا کہ سب گھر والے پردے میں ہوں اور میں بغیر پردے کے ہوں، ایسے میں اِس گھر کی بہو تو نہیں لگتی ناں میں......؟!

پہلے دن سے لے کر ابھی تک میں ان سے مسلسل سیکھ رہی ہوں۔ کوئی پہلی بار اُن سے ملے تو تبصرہ ہوتا ہے کہ یہ تو بہت خاموش رہتی ہیں اور دوسری بار ملے تو اماں کو کہا جاتا ہے:
"آپ کو ہیرا بہو ئیں ملی ہیں......!"

اماں کا خیال جیسا وہ رکھتی ہیں، میں بیٹی ہو کر بھی نہیں رکھ پاتی اور کبھی اماں یہ بات کہیں تو اُن کا جواب ہوتا ہے، یہ آگے جا کر اپنی (ساس) اماں کا رکھے گی نا، ایویں عادت ہو جائے گی آپ کو اُس کی، جبکہ ہمارے ساتھ تو آپ ہمیشہ رہیں گی۔"

کھانا بنانے میں اگر بڑی بھابی ماہر ہیں تو چھوٹی بھابی بھی کسی سے کم نہیں۔ اُن کی عادت ہے دوسروں کو کھلا کر خوش ہونا، بقول اُن کے "میرا دل چاہتا ہے مہمان آتے رہیں اور میں انھیں کھلاتی رہوں۔"

بچوں کی تربیت بھی بہت اچھے انداز میں کرتی ہیں۔ صبح اٹھتے وقت دادا دادی سے سلام اور رات سوتے وقت پیار لینا بچوں کی عادت بن گئی ہے۔

جب بھی کسی نئی ترکیب سے کھانا بنانے لگتی ہیں تو مجھے ساتھ رکھتی ہیں اور کہتی ہیں، آگے جا کر تم بھی اسی طرح مزے مزے کی چیزیں بنا کر کھلایا کرنا سسرال والوں کو، اِس طرح دل میں جگہ بنتی ہے۔ میرا جواب ہوتا ہے، چیزیں تو کھلا لوں گی، اخلاق کہاں سے لاؤں گی آپ والا؟ اور اُن کا جواب مجھے مطمئن کر دیتا ہے کہ جب اپنے ماں باپ کا سر فخر سے بلند کرنا ہو تا تو خود بخود انسان تبدیل ہو جاتا ہے۔ والدین کے گھر تو سبھی ناسمجھ ہوتے ہیں۔

ہم دونوں کی دوستی میں بھی اُن کا زیادہ ہاتھ ہے۔ ایک دوسرے کی چیزیں پوچھ کر استعمال کر لینا، ایک دوسرے سے باتیں بانٹنا، ایک دوسرے کی پسند کے تحفے دینا اور مل جل کر ساتھ رہنا اسے زیادہ مضبوط کرتا ہے۔ بے شک اُن کے ساتھ بھی ایسا نہیں ہوا کہ کبھی ناراضی ہوئی ہی نہ ہو، لیکن مجال ہے جو کبھی گھنٹے دو گھنٹے سے زیادہ ہوئی ہو۔

مختصر یہ کہ وہ ہمارے گھر کے لیے ایک خوبصورت ترین اضافہ ثابت ہوئی ہیں الحمدللہ!

یہ رشتوں کے درمیان خوبصورت باؤنڈنگ ایسے ہی نہیں بن جاتی، اُس کے لیے گھر کے ہر فرد کو اپنا کردار ادا کرنا پڑتا ہے، خصوصاً بڑوں کو۔

والد محترم نے پہلے دن سے یہ بات واضح کر دی تھی کہ آنے والیوں میں اور گھر کی بیٹیوں میں قطعاً کوئی فرق نہیں ہوگا۔ آپس میں ایسے رہنا ہے کہ کوئی فرق نہ کر پائے کون بیٹی ہے اور کون بہو اور بفضلِ خدا ہم سبھی اہلِ خانہ نے اس بات کو پورا بھی کیا۔ سچی بات ہے کہ دل بڑے کر لیے جائیں تو اِن سے زیادہ خوبصورت رشتے کوئی نہیں۔ جن کے ساتھ ایک چھت تلے رہنا ہوتا ہے ان کے لیے تو قربانیاں آسانی سے دی جاسکتی ہیں۔ کچھ ہمارے معاشرے نے اِن رشتوں کو عیب دار مشہور کر دیا ہے کہ نند ہے تو بری ہی ہوگی یا بھابی ہے تو کہاں کی سگی؟

لیکن اگر اپنی نیت اچھی رکھیں، بھابیوں کے ساتھ بہنوں والا پیار رکھیں تو آپ کو جوابی محبت ضرور ملے گی۔ ہاں سو میں سے ایک فیصد حساب الٹ بھی نکل سکتا ہے کہ بہت محبت اور احترام دینے کے باوجود آپ کو غلط سمجھا جائے تو پھر خاموشی سے ایک طرف ہو جانا چاہیے۔ ضروری نہیں کہ زور آزمائی کی جائے، کیوں کہ جب آپ کی نیت صاف تھی تو اس کا اجر بہرحال آپ کو مل کر رہے گا، ان شاء اللہ!

☆☆☆

1987ء سے خدمت میں مصروف

پُھلبھری، برص

LEUCODERMA-VITILIGO

تمام جِلدی بیماریوں کا موثر اور بے ضرر علاج

STEROIDS FREE
MOST PROGRESSIVE
TREATMENT

سفید داغ قابلِ علاج مرض ہے



ایوارڈ یافتہ ممتاز معالج
اجمل زیدی کے صاحبزادے
اقدس زیدی
(ماہرِ برص)

کے دورۂ پاکستان کا
مستقل پروگرام

کراچی قیام	1 مارچ تا 10 مارچ، 1 جولائی تا 10 جولائی، 1 نومبر تا 10 نومبر فارچون سنٹر آفس نمبر 706 ساتویں منزل شارع فیصل نرسری بالمقابل K.F.C کراچی فون: 69-(021)7012068 موبائل: (0300)8566188		
ملتان قیام	12 مارچ تا 17 مارچ، 12 جولائی تا 17 جولائی، 12 نومبر تا 17 نومبر ہوٹل سلور سینڈ، ریلوے روڈ نزد چوک عزیز ہوٹل، ملتان فون: 62-(061)4518061 موبائل (0300)8566188	پشاور قیام	یکم فروری تا 6 فروری، یکم جون تا 6 جون، یکم اکتوبر تا 6 اکتوبر ہوٹل امین، جی ٹی روڈ ہشت نگری چوک پشاور شہر فون: 19-(091)2218215 موبائل: (0300)8566188
اسلام آباد مستقل پتہ	25 مارچ تا 25 مئی، 25 جولائی تا 25 ستمبر، 25 نومبر تا 25 جنوری مکان نمبر 62 سٹریٹ نمبر 20 سیکٹر G-8-1 تعلیمی چوک (سرائے چوک) اسلام آباد فون: (051)-2331725 موبائل: (0300)8566188	لاہور قیام	11 فروری تا 20 فروری، 11 جون تا 20 جون، 11 اکتوبر تا 20 اکتوبر گلف سنٹر آفس نمبر 16 فرسٹ فلور چونگی میٹرو بس سٹاپ نمبر 10 فیروز پور روڈ نزد جسم آرکیڈ لاہور۔ 0300-8566188

E-mail:syedajmalzaidi@hotmail.com - syedajmalzaidi@yahoo.co.uk

اشتہارات

''۵۸۰اور ۵۸۰ کتنے ہوئے؟''

''۵۸۰اور ۵۸۰......ہوں آٹھ، آٹھ، سولہ، سولہ کا چھے، حاصل ایک اور پانچ، پانچ دس، دس اور ایک گیارہ ۱۱۶۰......''

''اچھا......اب پھر ملاؤ، ۵۸۰......''

''ہم......پھر ملاؤ تو یہ ہوئے......مگر یہ تو بتائیں......آپ کا حساب تو مجھ سے بھی اچھا ہے، پھر آپ مجھ سے کیوں......؟''

''بھئی وہ اس لیے کہ......ک، ک......آج کل آپ 'خواتین کا اسلام' میں آئے 'الصابر فارمیسی مطب صدیقی' کے اشتہار کی دوائیوں کے نام مجھے دکھا رہی ہیں اور بقول آپ کے آپ کو ان دوائیوں کی ضرورت ہے۔ اس لیے بجٹ بناؤ......اور پھر...... اعصابی موٹاپا، عضلاتی موٹاپا، غدی موٹاپا......ان سے پوچھو......!''

''دماغی موٹاپا کی دوا بھی ہے یا نہیں، سب سے پہلے اس کی ضرورت ہے...... زوجہ محترمہ آپ کو۔''

''آپ کو تو بس مذاق اڑانا آتا ہے......بس اب میں آپ سے کبھی کسی چیز کی ضرورت کا نہیں کہوں گی، دیکھیے گا چاہے کچھ بھی ہوجائے۔''

'اے کاش، اے اللہ! وہ دن کب آئے گا؟ ورنہ شادی کے ان پندرہ سالوں میں زوجہ محترمہ نے پندرہ سو مرتبہ یہ ارادہ توڑا ہے، ہائے......ائے......ائے مجھے تو چند دن خوش بھی نہیں رہنے دیتیں آپ......دوسرے دن ہی پھر کوئی اشتہاری چیز آپ کا دل لبھانے لگتی ہے۔''

''ہاں تو آپ تو سب کچھ لا دیتے ہیں ناں۔ جیسے اچھا جی اچھا جی ہی کرتے رہتے ہیں۔''

''دیکھو!......زوجہ یہ زیادتی ہے۔ میری کوشش اور میرا فرض تمھاری ہر ضرورت پوری کرنا ہے۔''

''تو پھر کیوں کہہ رہے ہیں کہ......اور آپ نے کب مجھے لا کر دیں وہ چیزیں جو میں نے اپنے رسالے میں سے دیکھ کر منگوائیں۔''

ام مریم۔ کراچی

''بیگم صاحبہ......اشتہاری چیزیں ہماری پہنچ سے دور ہوتی ہیں......اور ہر چمکتی چیز سونا نہیں ہوتی۔''

''واہ......یہ رسالے والے کوئی خراب چیز کا اشتہار تھوڑا ہی لگائیں گے جو آپ سمجھ رہے ہیں کہ وہ خراب ہوتی ہیں۔''

''ہر چیز چیک کرنا یا استعمال کر کے اشتہار تھوڑا ہی لگتا ہے۔ اور پھر دیکھو ناں...... یہ اشتہاری کمپنیاں جب اشتہار کے پیسے دیں گی تو عوام سے ہی تو وصول کریں گی۔''

'اچھا......آ......آ......آ......جب ہی تو مدیر صاحب کہتے ہیں کہ اشتہار رسالے کی ترقی کے لیے ضروری ہیں اور بعض قاریات بہنیں تو ناراض بھی ہوتی ہیں کہ اتنے اتنے صفحوں کے تو اشتہار ہی تھے لو......بھلا بتاؤ مجھے تو یہ پتا ہی نہ تھا کہ اشتہارات چھپنے کے پیسے لیتے ہیں مدیر صاحب۔''

'او بابا......اب مدیر صاحب کی کلاس نہ لینے لگنا، وہ بے چارے تو ملازم ہیں۔ جو مالک ہوں گے وہ اشتہارات کی رقم رسالے کے اخراجات میں لگاتے ہیں۔ اس لیے ہر اخبار، میگزین کے لیے اشتہارات ضروری ہیں۔''

''اچھا......بھئی فائدہ تو نہیں ہوتا ہوگا، اشتہاری کمپنیوں کو جب آپ جیسے سیانے کوئی چیز خریدیں گے ہی نہیں تو......ہاہاہا۔''

''ہر چیز نہ تو اشتہاری، غیر معیاری ہوتی ہے۔ نہ ہر اشتہاری چیز معیاری، مگر ان کے نعم البدل میں ہر انسان اپنی جیب کے حساب سے خریدتا ہے۔ اب 'صراط مستقیم' پیکج کی کتابیں ہماری پہنچ میں بھی تھیں اور ضرورت بھی اس لیے وہ لیں۔''

''اچھا چلیں چھوڑیں......بس ایک دوا تو ضرور لا دیں، شفائے نظر، یہ منحوس عینک سے تو نجات ملے، جو مجھے ۳۵ سال میں......۴۵ سال کا بنا رہی ہے۔''

''او......او......اوف......اف......اف......''

☆☆☆

کراماتی نسخہ

یہ نسخہ جو میں آپ کو بتانے جا رہی ہوں، اس کا مجھے بہت زیادہ فائدہ ہوا۔ میں اس نسخے کو کراماتی نسخہ کہتی ہوں۔ میں چونکہ طالب علم ہوں، اس لیے زیادہ کام دماغی مشقت والا ہوتا ہے، لہٰذا اکثر اوقات شدید دماغی تھکاوٹ ہوتی ہے۔ اس نسخے کا تین مرتبہ کا استعمال تھکاوٹ بھگا کر مجھے چاک و چوبند کر دیتا ہے۔ اس کے علاوہ مجھے ڈسٹ الرجی اور موسمی الرجی کا مسئلہ تھا، جو الحمدللہ! اس نسخے کے استعمال سے ٹھیک ہو گیا ہے۔

فائزہ واجد۔ گوجرانوالہ

اجزا: سونف ۱۰۰ گرام، مغز اخروٹ ۵۰ گرام، کالی مرچ ۱۵ گرام، دھنیا خشک ۵۰ گرام، سونٹھ ۳۰ گرام، مغز بادام ۱۰۰ گرام، مغز پستہ ۵۰ گرام، مصری ۳۰۰ گرام۔

تمام اجزا کوٹ کر سفوف بنائیں اور چھان لیں۔ صبح نہار منہ روزانہ ایک چمچ پانی یا دودھ کے ساتھ استعمال کریں۔ اس کے استعمال سے دائمی نزلہ و زکام ختم ہوتا ہے۔ حافظہ کو تقویت دیتا اور نگاہ کو تیز کرتا ہے۔ پرانے سر درد کے لیے مفید ہے۔ یہ نسخہ ہر موسم اور ہر عمر کے لوگ استعمال کر سکتے ہیں۔